اسلام

غریبوں اور یتیموں کا محافظ

اِسلام

غریبوں اور یتیموں کا مُحافظ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت کے محسنِ اعظم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت

غرباء سے حسنِ سلوک کے متعلق قرآنی تعلیمات کا یہ حسین مرقع سیدنا و مولانا سید الکل و افضل الرسل حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام سے معنون کرنے کا فخر حاصل کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ آپ ہی وہ مبارک وجود ہیں جن پر قرآنِ عظیم نازل ہوا۔ اور آپ ہی وہ فخرِ انسانیت ہیں جن کے نفس کے اندر کیا باعتبار زمان اور کیا باعتبار مکان بنی نوع انسان کی کامل ہمدردی موجود تھی آپ ہی نے دنیا بھر میں اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا اعلان کر کے انسانیت زندہ باد کا پہلا عارفانہ نعرہ بلند کیا۔ شرفِ انسانی قائم فرمایا، حقوقِ انسانیت متعین کئے، جذبات انسانی کا احترام سکھایا اور جذباتِ شنیعہ کی یلغار سے بنی نوع انسان کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ ؎

آں ترحّما کہ خلق از وے بدید کس ندیدہ درجہاں از مادرے

ہم نے اُس سے قرآنِ عظیم جیسی نعمت پائی۔ جس کے مقابل ہفت اقلیم کی بادشاہت ہیچ ہے اس کے اس احسان کے آگے ہماری ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی گردنیں خم ہیں۔
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے پڑھنے والو! ہم آپ سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھنے پڑھانے اور عمل کرنے کیلئے ہے پس اسے پڑھو۔ پڑھاؤ اور پھیلاؤ۔ عمل کرو۔ عمل کراؤ اور عمل کی ترغیب دو۔ کہ یہی اور یہی ایک ذریعہ انسانیت اور اسلام کے دوبارہ احیاء کا ہے:۔

(النّاشر)

فہرست

پہلا باب

آنحضرتؐ میں غرباء کی ہمدردی کا بے پناہ جذبہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى ؕ

(سورۃ الضحیٰ : آیت ۸)

(ترجمہ) اور (تیرے ربّ نے) تجھے کثیر العیال پایا تو غنی کر دیا۔

" اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ تیرے اندر یہ جذبۂ شوق پایا جاتا تھا کہ تو ہر مسکین اور یتیم کو پناہ دے جو بھی درماندہ اور بے کس انسان تجھے نظر آتا تو اسے اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیتا اُس کے سر پر اپنی محبّت کا ہاتھ رکھتا اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ جب ہم نے تیرے اس جذبۂ محبّت اور جذبۂ ہمدردی کو دیکھا تو ہم نے بھی اپنی دولت تیرے سُپرد کر دی تاکہ تو ہمارے بے کس اور نادار بندوں کا کفیل ہو یہاں دولت سے مراد صرف جسمانی دولت نہیں بلکہ روحانی دولت بھی مراد ہے اور یتامیٰ و مساکین سے مراد بھی صرف جسمانی یتامیٰ و مساکین نہیں بلکہ روحانی یتامیٰ و مساکین بھی مراد ہیں "

"جسمانی غرباء اور یتیم جو اس وقت پائے جاتے تھے اُن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو تڑپ پائی جاتی تھی اور جس قدر ہمدردی اور محبّت آپ کے قلب میں اُن کے متعلق موجود تھی اس کی مثال دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ بے انتہا تڑپ۔ بے انتہا ہمدردی اور بے انتہا محبّت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قوم کے غرباء اور یتامیٰ کے متعلق پائی جاتی تھی آپ اُن کے حالات کو دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے آپ کے دن بے چینی میں اور راتیں اضطراب میں کٹتیں۔ محض اس وجہ سے کہ غرباء کا کوئی سہارا نہ تھا یتامیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ مساکین کی طرف کوئی توجہ کرنے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جو آپ کے دل کے اسرار سے آگاہ تھا اُس نے جب آپ کی اس بے انتہا اور غیر معمولی تڑپ کو دیکھا تو آپ کی ان پاکیزہ خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ تحریک پیدا فرما دی کہ میں اپنا سب مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کر دوں چنانچہ شادی کے بعد انہوں نے اپنا سب مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا اور آپ کو اختیار دے دیا کہ آپ اس روپیہ میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے شک خود غریب تھے مگر چونکہ غرباء کو دیکھ دیکھ کر آپ کا دل دُکھتا تھا اور آپ ان کی غربت کو دُور کرنے کا اپنے پاس کوئی سامان نہ پاتے تھے اس لیے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال آپ کے قدموں پر نثار کر دیا تو

آپ کو اپنی خواہشات کو بر لانے اور آرزوؤں کو پورا کرنے کا موقع میسّر آگیا۔"

"دوسرے معنے اس آیت کے یہ بھی ہیں کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا وصال حاصل ہو۔ الٰہی قرب میں آپ کو جگہ ملے اور اس کا الہام آپ پر نازل ہو، اسی طرح عرب کی سرزمین میں خدا تعالیٰ کے کچھ اور بندے بھی اپنے رب کی محبّت اور اس کے پیار کے لیے تڑپ رہے تھے وہ بھی آرزو رکھتے تھے کہ ہمارا خدا ہم سے مل جائے اُس کا وصال ہمیں میسّر آئے اس کی گود میں ہم جا بیٹھیں اور اس کی پیاری اور میٹھی آواز ہمارے کانوں میں آئے مگر وہ بے بس تھے بے کس تھے کوئی راستہ ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ ایک تڑپ تو موجود تھی مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ اس تڑپ کا کیا علاج ہے؟ یہ لوگ جو اپنی اپنی جگہوں میں خدا کی رضا کے لیے تلملا رہے تھے ان میں سے کوئی ابوبکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ کوئی عثمانؓ تھا۔ کوئی علیؓ تھا۔ کوئی زیدؓ تھا۔ کوئی طلحہؓ تھا۔ کوئی زبیرؓ تھا یہ سب لوگ خدا کی محبّت میں گھُلے جا رہے تھے اُن کی آنکھیں گریاں اور ان کے دل بریاں تھے۔ اس لیے کہ اُن کا محبوب اُن سے ملے۔ فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے جب دیکھا کہ تیرے سوا اور لوگ بھی مکّہ بلکہ ساری دنیا میں ہیں جو اپنے دلوں میں ہماری محبّت رکھتے اور ہماری جستجو کے لیے بے چین ہیں تو ہم نے اُن کی تسلّی کے لیے تجھے وہ روحانی غذا مہیا فرما دی جس کے بعد اُن کی بے کلی جاتی رہی اور وہ

پوری سُرعت کے ساتھ ہماری طرف دوڑنا شروع ہو گئے گویا اس آیت میں اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فطرت کی تسلی کی تعلیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے اور اس طرح روحانی عیال کی خبرگیری کا سامان آپ کو پوری طرح دے دیا ہے۔ کوئی فطرت نہیں جس کی آپ خبرگیری نہ کر سکتے ہوں اور کوئی فطرت نہیں جس کے مناسب حال تعلیم آپ کی کتاب میں موجود نہ ہو بے شک کفار اسلام کی اس جامع تعلیم کو تسلیم نہیں کر سکتے مگر انہیں اتنا تو دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں اُن کے دل کی کیا کیفیت ہے اور آیا ان کو سکون اور اطمینان نصیب ہے یا نہیں آخر وجہ کیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ ایمان سے پہلے تو بے قرار تھے۔ بے چین اور مضطرب تھے۔ سمجھتے تھے کہ ہمیں منزلِ مقصود کا پتہ نہیں مگر جب ایمان لے آئے تو اُن کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہم جس مقصد کے لیے پیدا کئے گئے تھے وہ مقصد ہمیں حاصل ہو گیا ہے۔"

"غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ صرف تجھے ہم نے پالا اور تیری پرورش کا سامان کیا بلکہ تیرے ذریعہ سے اَور ہزاروں یتامیٰ و مساکین کی پرورش کا بھی ہم نے انتظام کر دیا۔ جسمانی یتیم۔ جسمانی مسکین۔ جسمانی غریب اور جسمانی نادار روٹی کھا کر شہادت دے رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستباز انسان ہیں اور روحانی یتیم ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور طلحہؓ

اور زبیرؓ تیری تعلیم سے مطمئن ہو کر گواہی دے رہے ہیں کہ ہم بڑے بھوکے تھے اگر سیری حاصل ہوئی تو اسی خوانِ ہُدیٰ سے جو اس پاک نفس انسان نے پیش کیا۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آئندہ بھی خدا ہمیشہ تیرے ساتھ ہوگا۔ ہمیشہ تیری تائید کریگا۔ ہمیشہ تجھے اپنی نصرت عطا کریگا جو خدا آج تک تیرے کام آتا رہا ہے جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی تجھے کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ آئندہ تجھے کس طرح چھوڑ سکتا ہے؟"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزء چہارم نصف دوم ص۱۰۵ کالم ۲ تا ص۱۰۷ کالم ۲)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غریبوں سے محبّت اور اُن کے جذبات و احساسات کا خیال

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝

(سورۃ الکٰفرون: آیت ۷)

ترجمہ: تمہارا دین تمہارے لیے (طریق کار مقرر کرتا) ہے اور میرا دین میرے
لیے (طریق کار مقرر کرتا) ہے۔

(آنحضرتؐ کو) اپنے غریب صحابہؓ سے جو محبّت تھی اور انکے احساسات اور جذبات کا آپ جس قدر خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ایک صحابیؓ بہت بدصورت تھے وہ بے چارے مزدور تھے۔ ایک دفعہ مزدوری کے لیے کہیں کھڑے تھے پسینہ آیا ہوا تھا اور چہرے پر افسردگی طاری تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور جس طرح بچے آپس میں کھیلا کرتے ہیں آپ نے ان کے پیچھے سے آکر ان کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے وہ صحابیؓ بھی سمجھ گئے وہ جانتے تھے کہ مَیں غریب ہوں پھر پسینہ آیا ہو ہے مٹی سے میرا جسم لت پت ہے اور ویسے بھی مَیں بدصورت ہوں۔ رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہو گا جو مجھ سے پیار کرے پھر انہوں نے ہاتھ پھیر کر بھی پہچان لیا تھا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ آپ کا جسم بہت ملائم تھا مگر آپ کی محبّت کو دیکھ کر انہیں بھی جوش آ گیا اور انہوں نے اپنا جسم آپ کیساتھ خوب رگڑا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ ان کا دل خوش ہو گیا ہے تو آپ بول پڑے اور فرمایا ہم ایک غلام بیچتے ہیں اسے کون لے گا۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کون خرید سکتا ہے آپ نے فرمایا خدا اور اس کے رسول کی نظر میں تمہاری بڑی قیمت ہے۔

اسی قسم کا حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ ہے حضرت ابو ہریرہ ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے تا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی بات کریں وہ اس کے سننے سے محروم نہ رہیں چونکہ آپ کوئی کمائی نہیں کرتے تھے اس لیے کچھ دیر تو اُن کا بھائی کھانا پہنچاتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ اب تو ملّاں ہی بن گیا ہے کوئی کام نہیں کرتا تو اس نے کھانا دینا بند کر دیا۔ اس وجہ سے بعض دفعہ آپ کو کئی کئی وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور بھوک کی وجہ سے آپ کی بُری حالت ہو جاتی تھی ایک دن جب آپ کو شدت کی بھوک لگی ہوئی تھی آپ مسجد کی ایک کھڑکی میں کھڑے ہو گئے اور خیال کیا کہ رستہ سے جو صحابی گذرے گا مَیں اُس سے اُس آیت کا مطلب پوچھوں گا جس میں غریبوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے شاید اُسے میرا خیال آ جائے اور مجھے کھانا کھلا دے اتفاقاً سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ

گذرے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ سے پوچھا قرآن کریم میں یہ جو آیت ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر) اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ دوسروں کا بہت خیال رکھتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں اور اپنا کھانا دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ آپ نے یہ جواب دیا اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ گذرے حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا اور پھر آگے چلے گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ غصے میں آگئے اور کہنے لگے یہ کوئی مجھ سے زیادہ قرآن کریم جانتے ہیں میں نے تو خیال کیا تھا کہ شاید میری شکل دیکھ کر انہیں میرا خیال آجائے گا اور کھانا کھلا دیں گے مگر یہ معنے بتاتے ہوئے آگے چلے جاتے ہیں وہ غصہ میں کھڑے ہی تھے کہ پیچھے سے ایک پیار کی آواز آئی۔ ابوہریرہؓ تم بھوکے ہو۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی۔ گویا ابوبکرؓ اور عمرؓ ابوہریرہؓ کا چہرہ دیکھ کر بھی یہ نہ پہچان سکے کہ وہ بھوکے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اُن کی آواز سے پہچان لیا کہ وہ بھوکے ہیں حضرت ابوہریرہؓ پیچھے مڑے اور انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہؓ ہم بھی بھوکے تھے مگر ایک دوست نے دودھ کا ایک پیالہ بھیج دیا ہے آؤ ہم دودھ پئیں۔ ابوہریرہؓ بہت خوش ہوئے اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوہریرہؓ

مسجد میں جاؤ اور دیکھو شاید کچھ اور لوگ بھی بھوکے ہوں اور اگر ایسا ہو تو ان کو بھی ساتھ لے آؤ۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مجھے یہ سُن کر سخت افسوس ہوا کہ ایک پیالہ بھر دودھ ہے اُسے بھلا کون کون پئے گا۔ لیکن چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا اس لیے میں چلا گیا میں نے دیکھا تو مسجد میں میرے جیسے چھ آدمی اور تھے ان کو بھی میں نے ساتھ لیا اور چل پڑا مجھے رہ رہ کر افسوس آ رہا تھا کہ اب کیا بنے گا میں نے خیال کیا تھا کہ ایک پیالہ دودھ کا ہے میں خوب پیٹ بھر کر پی لوں گا مگر اب تو چھ اور بھی حاجتمند مل گئے ہیں۔ دو دو گھونٹ ہی حصہ میں آئیں گے خیر ہم آپؐ کے پاس چلے گئے مگر میں نے خیال کیا کہ میں چونکہ بہت بھوکا ہوں اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاید مجھے پہلے پیالہ دیں گے مگر آپ نے پیالہ اٹھایا اور ان چھ میں سے ایک کو دے دیا جس سے میری رہی سہی امید بھی جاتی رہی۔ جب وہ آدمی پی چکا تو آپ نے فرمایا کیا پیٹ بھر گیا ہے اور پیو۔ اس نے پھر پیا اور کہا حضور اب تو پیٹ بھر گیا ہے میں اور نہیں پی سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ اس سے لیکر دوسرے شخص کو دے دیا۔ پھر تیسرے کو پھر چوتھے کو۔ میں نے خیال کیا اب تو میری خیر نہیں۔ میرے لیے کیا بچے گا مگر اُن چھ آدمیوں کے پی لینے کے بعد بھی جب دودھ کا پیالہ میرے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ ویسا ہی بھرا ہوا ہے کچھ تو ویسے ہی وہ پیالہ بڑا تھا اور پھر انبیاء کی چیزوں میں خدا تعالیٰ برکت بھی دے دیتا ہے۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہؓ اب تم پیئو۔ مَیں نے دودھ پیا اور میرا پیٹ خوب بھر گیا جب مَیں پی چکا تو آپؐ نے فرمایا ابوہریرہؓ پھر پیئو۔ مَیں نے پھر پیا۔ آپؐ نے فرمایا ابوہریرہؓ پھر پیئو مَیں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ اب تو میری انگلیوں میں سے بھی دودھ نکلنے لگا ہے پھر آپ نے ہم ساتوں آدمیوں کا جھوٹا خود پیا۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے صحابہؓ کی دلجوئی اور خدمت کا کتنا احساس تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ سوم صفحہ ۴۶۶ کالم ۲ تا صفحہ ۴۶۸ کالم ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غرباء کی خبر گیری کا طریق

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

(سورۃ مومنون ۔ ع ۱)

ترجمہ: (کامل مومن وہ ہیں جو زکوٰۃ (باقاعدہ) دیتے ہیں۔

"احادیث میں آتا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی کثرت کے ساتھ غرباء میں صدقات تقسیم فرماتے کہ اُسے اگر ایک تیز ہوا سے مشابہت دی جائے تو یہ بھی ایک ناقص مشابہت ہوگی۔ اسی طرح ایک دفعہ کچھ اموال آئے جن کو آپ نے غرباء میں تقسیم فرما دیا مگر ایک دینار کہیں غلطی سے رہ گیا اور وہ تقسیم نہ ہو سکا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ کو وہ دینار یاد آ گیا جب آپ نے نماز ختم کر لی تو بجائے اِس کے کہ آپ بیٹھ کر صحابہؓ سے گفتگو فرماتے آپ جلدی جلدی اندر تشریف لے گئے صحابہؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا اضطراب پایا جاتا تھا کہ آپ ہماری گردنوں پر سے کودتے ہوئے اندر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اموال تقسیم کرتے کرتے ایک دینار کہیں گر گیا تھا۔ مجھے نماز پڑھاتے ہوئے وہ یاد آیا تو میرا دل اس خیال سے بے چین ہو گیا کہ اگر

میری موت آگئی اور غرباء کا یہ مال میرے گھر میں پڑا رہا تو میں خدا تعالیٰ کو کیا جواب دونگا اس لیے میں فوراً اندر گیا اور اسے بھی تقسیم کرنے کا حکم دیدیا۔

(بخاری کتاب الکسوف باب من احب تعجیل الصدقۃ من یومھا)

اِسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس صدقہ کی کچھ کھجوریں آئیں۔ حضرت امام حسنؓ جو اُس وقت چھوٹے بچے تھے اور اُن کی عمر اس وقت دو اڑھائی سال کی تھی انہوں نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے فوراً اُن کے منہ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور نکال کر باہر پھینک دی اور فرمایا یہ ہمارا حق نہیں۔ یہ خدا کے غریب بندوں کا حق ہے۔

ایک دفعہ آپکو معلوم ہوا کہ آپ کے ایک صحابی حضرت سعدؓ جو مالدار تھے وہ بعض دوسرے لوگوں پر اپنی فضیلت ظاہر کر رہے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سُنی تو فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں یہ مال اپنے زور بازو سے ملا ہے؟ تمہاری طاقت اور دولت کا اصل ذریعہ غرباء ہی ہیں اس لیے فخر مت کر اور غرباء کی تحقیر نہ کرو۔ ×

مزدور طبقہ کی حق تلفی کے نتائج: هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہی لوگ کامیابی حاصل کرتے ہیں جو غرباء کی ترقی کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے رہتے ہیں اور ان کے حقوق کو نظر انداز نہیں کرتے یورپ میں تو

مزدوروں نے کمیٹیاں بنائی ہوئی ہیں وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں اوّل تو لوگ مزدور کو اس کے حق سے کم دیتے ہیں اور پھر جو کچھ دیتے ہیں وہ بھی وقت پر نہیں دیتے حالانکہ ہمارے مزدوروں کی کمیٹی آسمان پر بنی ہوئی ہے اور وہ ان کے حقوق کا تصفیہ کرتی ہے مگر اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رہا جس کی وجہ سے لوگ آسمانی کمیٹیوں کے فیصلہ کی تعمیل نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ چاہے تو احمدیت کے ذریعہ سے اس کی تعمیل ہونے لگ جائے گی مگر موجودہ زمانہ میں اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ نہ صرف مزدور طبقہ کی حق تلفی ہو رہی ہے بلکہ مالکوں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ مالکوں کو مزدوروں سے ہی کام لینا پڑتا ہے اور جب ان کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو وہ خوش اسلوبی سے کام نہیں کرتے۔ جس کا اثر اس کام پر بھی پڑتا ہے جو اُن کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس طرح مالک بھی مزدور کی حق تلفی کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔"

"پس غرباء کے حقوق نظر انداز کرنے کا نتیجہ دونوں کے حق میں بُرا نکل رہا ہے غرباء میں سُستی اور نکمّے پن کی عادت پیدا ہو رہی ہے،

اور امراء اپنی تجارتوں اور صنعتوں اور کارخانوں اور زمینوں سے
صحیح رنگ میں فائدہ اُٹھانے سے محروم ہو رہے ہیں پس قومی ترقی کا
ایک نہایت اہم اصل ہے کہ غرباء کے حقوق کا خیال رکھا جائے
اور امراء ان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے اپنے اموال کا ایک حصہ
خرچ کرتے رہیں اس طرح دنیوی طور پر بھی وہ ترقی کریں گے اور
روحانی رنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے انعامات
حاصل کریں گے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول ص ۱۲۷ کالم ۱ تا ص ۱۲۹ کالم ۲)

آنحضرت کا غرباء کے ساتھ مشفقانہ سلوک

طٰہٰ ۝

(سورۃ طٰہٰ آیت ۲)

ترجمہ: اے کامل قوتوں والے مرد!

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا غریبوں سے معاملہ ایسا احسان کا تھا
کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی گردن میں پٹکا ڈال دیا اور کہا مجھے کچھ
مال دو آپ نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف یہ جواب دیا کہ میں بخیل نہیں ہوں
اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں ضرور دے دیتا اُس وقت دس ہزار آدمی آپ
کے ہاتھ پر اپنی جان و مال کو قربان کرنے کا عہد کر چکا تھا اگر آپ ذرا
بھی اشارہ کر دیتے تو وہ اس کی گردن اُڑا دیتے مگر آپ نے اس پر
خفگی کا اظہار نہیں کیا۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۳۹۹ کالم ۲ و ص ۴۰۰ کالم ۱)

یتامیٰ اور غرباء کی خبر گیری سے متعلق رسولِ کریم اور کفارِ مکہ کے طرزِ عمل کا تقابل

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ

(سورۃ البلد: آیت)

ترجمہ: اور باپ کی بھی اور بیٹے کی بھی (قسم کھاتا ہوں)

وَالِد اور مَا وَلَد میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جماعت کے کیریکٹر کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے تم ان لوگوں کے کیریکٹر سے اپنا کیریکٹر ملا کر دیکھو تمہارا کیریکٹر تو وہ ہے جو ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور یہ بات واضح ہے کہ اس کیریکٹر والے کبھی جیت نہیں سکتے اب بتاتا ہے کہ اس وَالِد اور مَا وَلَد کے اندر جو کیریکٹر پائے جاتے ہیں اس کیریکٹر کے مالک کبھی ہار نہیں سکتے تمہارا کیریکٹر تو یہ تھا کہ یتیم کو پوچھنا نہیں مسکین کو کھانا نہیں کھلانا۔ جائدادیں آئیں تو ان کو لٹا دینا یا مال سے اتنی محبت رکھنا کہ ضرورت پر بھی اس کو خرچ نہ کرنا اور انتہائی بخل سے کام

لینا یعنی ایک طرف تو تمہارے بعض حصہ قوم میں اتنا اسراف پایا جاتا ہے کہ باپ دادا کی جائدادیں آتی ہیں تو ان کو تباہ کر دیتے ہیں اور دوسری طرف تم میں سے کچھ لوگوں کے اندر ایسا بخل پایا جاتا ہے کہ مال آئے تو اسے بند کر کے رکھ لیتے ہیں گویا کچھ تو ایسے ہیں جو اپنے مال کو بے مصرف خرچ کرتے ہیں اور کچھ وہ افراد ہیں جو بامقصد بھی صَرف نہیں کرتے یہ چار قسم کی صفات جس قوم میں ہوں تم خود ہی غور کرو کہ آیا وہ قوم کبھی جیت سکتی ہے اس کے مقابل میں تم اس باپ اور اس کے بیٹوں کو دیکھو یہاں گو نام بنام ایک ایک صفت کا ذکر نہیں کیا گیا مگر تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ جن برائیوں کا ذکر دشمنوں کے بارہ میں کیا گیا ہے انہی کے مقابل کی نیکیاں ان لوگوں میں پائے جانے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے چونکہ کفار کی بُرائیاں یہ بیان کی تھیں کہ وہ یتامیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے۔ اسراف میں مبتلا رہتے ہیں یا اتنے بخل سے کام لیتے ہیں کہ ضرورت حقہ پر بھی روپیہ خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس جگہ انہی چار عیبوں کے مقابل کی خوبیوں کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ اس باپ اور اس کی اولاد میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں اکرام یتیم بھی پایا جاتا ہے۔ ان میں مساکین کی پرورش کا جذبہ بھی موجود ہے وہ اسراف بھی نہیں کرتے اور ضرورت پر اپنے مالوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرانے سے دریغ بھی نہیں کرتے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے کہ یہ کہیں میرا امتحان نہ ہو اسی حالت میں آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ مجھے تو اپنے نفس کے متعلق ڈر پیدا ہو گیا ہے حضرت خدیجہؓ نے یہ سنتے ہی بلا تکلف بغیر سوچنے اور بغیر کسی فکر و تردّد سے کام لینے کے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا۔ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا ؕ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی) خدا کی قسم۔ خدا آپ کو کبھی ذلیل نہیں کر سکتا کیونکہ آپ وہ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں آپ وہ ہیں جو سچائی سے کام لیتے ہیں۔ آپ وہ ہیں جو لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں آپ وہ ہیں جنہوں نے تمام معدوم اخلاق کو اپنے اندر پیدا کیا ہوا ہے۔ آپ وہ ہیں جو مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ وہ ہیں جو حق کی راہ میں لوگوں کے مددگار بنتے ہیں۔ آپ جیسے انسان کو اللہ تعالیٰ کس طرح ضائع کر سکتا ہے اب دیکھ لو حضرت خدیجہؓ نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان سب میں وہ اخلاق آ گئے جو کفار کے اندر موجود نہیں تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تَقْرِی الضَّيْفَ۔ آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اس میں یہ بات آ گئی۔ آپ کے اندر مال کی ایسی محبّت نہیں تھی کہ آپ اسے بند کر کے بیٹھ رہتے بلکہ ہر جائز ضرورت

پر آپ اسے خرچ کر دیتے تھے پھر انہوں نے ایک خوبی ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ تَحْمِلُ الْكَلَّ۔ آپ لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں اس میں یتامیٰ اور مساکین بھی شامل ہیں کیونکہ جو شخص کسی کام کے قابل نہ ہو۔ وہ دوسروں کیلئے ایک بوجھ ہوتا ہے۔ یتیم کسی کام کے قابل نہیں ہوتا۔ بوجہ اپنی کم سنی کے اور مسکین بھی کسی کام کے قابل نہیں ہوتا بوجہ فقدانِ روپیہ کے بے شک اس میں اور باتیں بھی شامل ہیں مگر اکرام یتیم اور مساکین پروری دونوں بہر حال تَحْمِلُ الْكَلَّ میں شامل ہیں۔ پھر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی ضروریات کے لیے روپیہ خرچ کیا کرتے تھے تو یہ لازمی بات ہے کہ جو شخص روپیہ خرچ کرنے والا ہو وہ کنجوس نہیں ہو سکتا پس بخل کی بھی نفی آ گئی پھر اسراف بھی جاتا رہا کیونکہ حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ۔ وہ اخلاق جو قوم میں سے مٹ چکے ہیں ان کو دوبارہ اپنی قوم میں واپس لا رہے ہیں گویا وہ سب اخلاق جن کو آپ کی قوم کھو چکی تھی وہ آپ کے ذریعہ دوبارہ حاصل ہو رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُسرف نہیں تھے پس حضرت خدیجہؓ کی گواہی اپنی ذات میں اس بات کا ایک قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر وہ سب اوصاف و کمالات پائے جاتے تھے جو ایک ترقی کرنے والے وجود کے اندر پائے جانے ضروری ہیں۔

وَالِدِ کے بعد وَلَدَ کا ذکر آتا ہے ان کے اخلاق اور اُنکی قربانیوں

کو بھی جب دیکھا جاتا ہے تو حیرت آتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وطن کی قربانی یتامیٰ کی خبر گیری۔ مساکین کی پرورش دینی ضروریات کے لیے روپیہ صرف کرنا یہ سب خوبیاں ان کے اندر اپنی پوری شان کے ساتھ موجود تھیں۔ چنانچہ ان کے اخلاق اور ان کی قربانیوں کا یہ ایک زندہ ثبوت موجود ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے لیے اپنے وطنوں کو قربان کر دیا۔ اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیا اور ہر قسم کی موت کو اپنے اوپر خوشی سے وارد کر لیا۔ غرض اس مقام پر اللہ تعالیٰ والد اور ما ولد دونوں پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان اوصاف کی موجودگی میں تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ یہ لوگ نہیں جیتیں گے۔ پیشگوئیوں کے متعلق تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جب وہ پوری ہونگی تو دیکھا جائے گا مگر یہ چیز تو تمہارے سامنے موجود ہے تم ہر وقت دیکھ سکتے ہو کہ تم میں کیسے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ تمہارے اخلاق اس بات کا ثبوت ہیں کہ تم لوگ ہارنے والے ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی جماعت کے اخلاق اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ لوگ جیتنے والے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم نصف اول صفحہ ۶۰۹ کالم ۲ تا صفحہ ۶۱۱ کالم ۲)

زمانہ نبوی میں یتامیٰ کی خبر گیری کا نظام

اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

(سورۃ الماعون آیت ۲و۳)

: (اے مخاطب) کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو دین کو جھٹلاتا ہے وہی شخص تو یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کے کھانے کے لیے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دلاتا۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یتامیٰ کی خبر گیری کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی مشرکین مکہ مارے جاتے تھے تو ان کے یتیم بچوں کی کوئی دیکھ بھال نہیں کرتا تھا مگر مدینہ کے لوگ اپنے یتامیٰ کو سر پر اُٹھا لیتے تھے یہی وجہ تھی کہ مدینہ کے لوگ ایثار اور قربانی سے ڈرتے نہیں تھے انہیں یہ فکر نہیں تھا کہ ہم مارے گئے تو ہمارے بچوں کی نگہداشت کون کریگا مگر مکہ والے لوگ ڈرتے تھے اس لیے کہ ان کے بعد اُن کے بچوں کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا آج کل کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بیوہ عورت سے کوئی شادی نہیں

کرتا مگر اس زمانہ میں کیا ہوتا تھا اِدھر بیوہ کی عدت گذری اور اُدھر اس کے اد
اُس کے بچوں کی پرورش کے خیال سے لوگوں نے اُن سے شادی کی درخواست
پیش کر دی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر بیواؤں سے شادی ک
اور یتامیٰ کی پرورش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان سے
پوچھا کہ تو نے نوجوان لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی تو اس نے جواب دیا۔ یا
رسول اللہ میرے بھائی کے یتیم بچے تھے ان کی پرورش کے لیے تجربہ کار عورت
کی ضرورت تھی اس لیے مَیں نے بیوہ سے شادی کر لی ہے جب کوئی صحابیؓ
شہید ہو جاتا یا فوت ہو جاتا تو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے
اور عرض کرتے یا رسول اللہ میری فلاں عورت سے شادی کرا دیجئے تا میں ان
بچوں کی پرورش کر کے ثواب حاصل کر سکوں۔ غرض وہاں یہ سوال ہی نہیں
تھا کہ اولاد یتیم رہ جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے بازار سے گذرتے
یتامیٰ آپ کو بازو سے پکڑ لیتے اور کہتے یا رسول اللہ ہمیں فلاں ضرورت ہے
آپؐ وہیں رُک جاتے۔ ان کے ساتھ تشریف لے جاتے اور فرماتے چلو تمہا
کام پہلے کر دوں۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ قربانی میں دریغ نہیں کرتے تھے و
سمجھتے تھے کہ اگر وہ نہ رہے تو اور بہت سے ایسے دوست ہوں گے جو اُ
کی اولاد کی پرورش اور نگہداشت کریں گے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں ک

صحابہؓ نے بیوہ سے شادی کی اور شادی کے بعد اپنی جائداد بیوی کے پہلے
بچوں کو دے دی اسی قربانی کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ نے کبھی مرنے سے احتراز
نہیں کیا۔ بے شک جان قربان کرنے کے جذبہ کے پیچھے جذبۂ ایمان وخواہش
وصال الٰہی بھی تھی مگر جب اس کے ساتھ دنیوی سامان بھی مل جائیں تو یہ
اور بھی زیادہ شاندار ہو جاتی ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم حصہ سوم ص ۳۳۲۔ ۳۳۸)

دوسرا باب

غرباء کے حقوق کی حقیقی محافظ شریعت ہی ہے

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝ (نحل آیت ۷۲)

(ترجمہ) "اور اللہ (تعالیٰ) نے رزق میں (بھی تو) تم میں سے بعض کو بعض سے بڑھایا (ہوا) ہے۔ پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا (مقبوضہ) رزق (کسی صورت میں بھی تو) ان کی طرف جن پر ان کے داہنے ہاتھ قابض ہیں لوٹانے والے نہیں تا وہ اس میں برابر (کے حصہ دار) ہو جائیں پھر کیا وہ (اس حقیقت کے جاننے کے باوجود) اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔"

"اس آیت میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ شریعت ہم خود ہی

بنالیں گے خدائی الہام کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا
کہ شریعت بنانا خدا کا ہی حق ہونا چاہیئے کیونکہ صحیح قانون وہی بنا سکتا ہے جس
کی اپنی غرض حقوق کی تقسیم میں کوئی نہ ہو اگر غرض والا شخص شریعت بنائے گا
تو وہ اپنا اور اپنی قوم کا فائدہ مدنظر رکھے گا مثلاً اگر شریعت کا بنانا مردوں کے
سپرد ہوگا تو وہ عورتوں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کریں گے اور اگر امراء قانون
بنائیں گے تو وہ امراء کے حقوق کا خاص خیال رکھیں گے اور غرباء کے حقوق
کو نظر انداز کر دیں گے علیٰ ہذا القیاس جو کوئی بھی قانون بنائے گا وہ اپنے حقوق
کا زیادہ خیال رکھے گا اور دوسروں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کریگا اس
فرمایا کہ ہم نے شریعت بندوں کے اختیار میں نہیں رکھی تا ایسا نہ ہو کہ جس
قبضہ میں کوئی نعمت آئی ہوئی ہو وہ اسے دبا کے بیٹھا رہے اور اس کا
کرنا اپنے ذمہ رکھا ہے تاکہ عوام الناس کو جو بطور غلاموں کے ہیں اور ا
حقوق منوانے میں کوئی آواز نہیں رکھتے ان کو ان کے حقوق دلوائے جا
رہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۶۹۶ کالم ۲و۱)

کمیونزم اور اسلام کے نظریہ میں فرق

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ
وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○

(سورۃ المومنون: آیت ۶۱)

(ترجمہ) "اور جو خدا تعالیٰ کے بخشے ہوئے مال کو (آگے مستحقین کو) دیتے رہتے ہیں۔ اور اُن کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ اُنہیں ایک دن اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔"

"اسلام دنیا کے سامنے یہ اصل پیش کرتا ہے کہ انسانی روح جسمانی تغیرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی پس وہ غذا پر بھی ایک حد تک پابندی عائد کرتا ہے تاکہ معدہ کے ذریعہ انسانی دل اور دماغ پر بداثرات نہ پہنچیں اور اس کی روح مُردہ ہو کر نہ رہ جائے وہ کہتا ہے کہ اگر تم حلال کھاؤ گے۔ بلکہ حلال میں سے بھی طیّبات کا استعمال کرو گے تو اس کے نتیجہ میں لازمی طور پر تمہیں عمل صالح کی توفیق ملے گی جس طرح آج کل کمیونسٹوں سے جہاں بھی کسی کو بات کرنے کا موقع ملے وہ کہتے ہیں کہ مسائل کو جانے دیجئے۔ سارا جھگڑا ہی پیٹ کا ہے اسی طرح قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ تمہارا پیٹ ہی اصل

چیز ہے مگر انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ جس نے پیٹ کا مسئلہ حل کر لیا وہ کا
ہو گیا اور قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ جس نے اپنے پیٹ کو ہر قسم کی گندی چ
سے بچا لیا وہ کامیاب ہو گیا جس نے حلال اور حرام میں ہمیشہ امتیاز کیا او
نے طیبات کا استعمال ہمیشہ اپنا معمول رکھا وہی ہے جسے عمل صا
توفیق ملتی ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل ص۱۸۱ کالم ۱)

اسلام کا اقتصادی نظام افراط و تفریط سے بالا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○

(سورۃ اللہب : آیت ۲)

رجمہ: "شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ ہی شل ہو گئے ہیں
اور وُہ (خود) بھی شل ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اسلامی حکومت کا تنزل سترہویں صدی کے شروع میں ہوا ہے
اس کے بعد مغربی حکومتوں کی سیاسی رسہ کشی ہوئی ہے اور سائنس کی ترقی
ئی ہے اور فلسفہ اور مادیت نے مذہب پر حملے شروع کئے ہیں جس کے
جہ میں آخر مذہب بالکل بے کار ہو کے رہ گیا۔ مادیت نے خالص منطقی
توں کی اتباع کر کے اقتصادی تغیرات کی ایسی ایسی شکلیں پیش کیں کہ دنیا
حیرت ہو گئی اور انہی میں سے ایک نتیجہ کمیونزم ہے دنیا کے پیدا کرنے
لے ایک خدا اور اس کے نظام کو چھوڑ کر ہمیں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ دنیا کمیونزم
سی ازم سے ورے کسی اور دلیل کو تسلیم کر سکتی ہو خدا تعالیٰ اور اس
علیمات کو نظر انداز کر کے یا تو ہمیں یہ ماننا ہو گا کہ تمام انسان برابر ہیں
دنیا کی سب چیزیں ان میں زور کے ساتھ برابر تقسیم کر دینی چاہیئں

اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" طاقت ہی اصل چیز ہے جس کے پاس طاقت ہے وہ قابل ہے اور وہی دنیا کی نعمتوں کا مستحق ہے آخر ان دونوں نظریوں کے سوا خالص عقل اور کیا نظریہ پیش کر سکتی ہے مذہب ہی ہے جو خدا اور اخلاق کو درمیان میں لاکر ایک درمیانی راہ پیش کرتا ہے ورنہ عقل تو ان دونوں نظریوں کے سوا کسی جگہ نہیں ٹھہرتی۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز آخر ص۱۲۶ کالم ع۲)

اسلامی حکومت کا فرض بنیادی ضروریات کو پورا کرنا

"اسلامی حکومت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ ہر اک شخص کیلئے خوراک۔ لباس اور مکان مہیا کرے یہ ادنیٰ سے ادنیٰ ضروریات ہیں جن کا پورا کرنا حکومت کے ذمہ ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ چیز جس کی حفاظت اس کے سپرد کی گئی ہے زندہ نہیں رہ سکتی۔ مکان اور خوراک کے بغیر جسمانی زندگی محال ہے اور لباس کے بغیر اخلاقی اور تمدنی زندگی محال ہے۔

اسلام کا یہ حکم قرآن کریم کی اس آیت میں پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ (طٰہٰ ع۷) یہ آیت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم ہم نے تمہارے جنت میں رکھے جانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تم اس میں بھوکے نہیں رہو گے تم اس میں ننگے نہیں رہو گے۔ تم اس میں پیاسے نہیں رہو گے اور تم اس میں رہنے کی وجہ سے دھوپ میں نہیں پھرو گے لوگ اس آیت سے غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد اُخروی جنت ہے اور آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب انسان جنت میں جائیگا تو وہاں اس کا یہ حال ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم سے صاف ظاہر ہے کہ آدم

اسی دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرۃ ع ۴) مَیں دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کرنے والا
ہوں اور دنیا میں جو شخص پیدا ہوتا ہے وہ بھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پیاسا بھی
ہو سکتا ہے۔ وہ ننگا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ دھوپ میں بھی پھر سکتا ہے یہ نہیں
سکتا کہ وہ دنیا میں تو پیدا ہو اور بھوک اور پیاس اور لباس اور مکان کی ضرور
اُسے نہ ہو اور جبکہ یہ آیت اِسی دنیا کے متعلق ہے تو لازماً ہمیں اس کے کوئی او
معنے کرنے پڑیں گے اور وہ معنے یہی ہیں کہ ہم نے اپنا پہلا قانون جو دنیا میں نازل
کیا اس میں ہم نے آدمؑ سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم ایک ایسا قانون تمہیں دیتے
کہ جو تجھ کو اور تیری اُمّت کو جنّت میں داخل کر دیگا اور وہ قانون یہ ہے
ہر ایک کے کھانے پینے لباس اور مکان کا انتظام کیا جائے۔ آئندہ تم میں
کوئی شخص بھوکا نہیں رہنا چاہیئے بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہے کہ ہر ایک
لیے غذا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص ننگا نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سو
کا کام ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کے لیے کپڑا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کو
شخص پیاسا نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے کہ وہ نالا
اور کنوؤں وغیرہ کا انتظام کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص بغیر مکان کے
رہنا چاہیئے بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے کہ وہ ہر ایک کے مکان کا ا
کرے گویا یہ وہ پہلا تمدن ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ دنیا میں

کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا پر اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ خدا سب کا خدا ہے۔
وہ امیروں کا بھی خدا ہے۔ وہ غریبوں کا بھی خدا ہے۔ کمزوروں کا بھی خدا ہے
اور طاقتوروں کا بھی خدا ہے وہ نہیں چاہتا کہ دنیا کا ایک طبقہ تو خوشی میں اپنی
زندگی بسر کرے اور دوسرا روٹی اور کپڑے کے لیے ترستا رہے۔

چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو آدم ثانی ہیں ان پر بھی قرآن کریم
میں یہ آیات نازل کر کے آپ کو کہا گیا کہ آپ کو بھی ایسا تمدن قائم کرنا ہوگا جس میں
ہر ایک کے لیے لباس۔ مکان اور خوراک کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ مدنی زندگی
میں جب عرب کے علاقہ بحرین کا رئیس مسلمان ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اسے ہدایات بھجوائیں اور لکھا:۔

اِفْرِضْ عَلٰی کُلِّ رَجُلٍ لَیْسَ لَہٗ اَرْضٌ اَرْبَعَۃَ دَرَاھِمَ
وَعَبَاءَۃً۔ (زرقانی بحوالہ ابن مندہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۲)

یعنی جن لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے اُن میں سے ہر ایک کو ملکی خزانہ میں سے
چار درہم اور لباس گذارہ کے لیے دیدیا جایا کرے (اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے
کہ جس کے پاس زمین نہیں صرف اسی کی مدد کرنی چاہیئے۔ بلکہ جس کی زمین
ہو اور وہ تباہ ہو جائے یا فصل ہو اور وہ تباہ ہو جائے وہ بھی بمنزلہ اس
کے ہوگا جس کی زمین نہیں۔ کیونکہ نتیجہ میں وہ اس کے مشابہ ہے جس کی
زمین نہیں)۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے زمانہ خلافت میں جب نظام مکمل ہوا تو اس وقت اسلامی تعلیم کے ماتحت ہر فردِ بشر کے لیے روٹی اور کپڑا مہیّا کرنا حکومت کے ذمّہ تھا اور وہ اپنے اس فرض کو پوری ذمہ واری کے ساتھ ادا کیا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس غرض کے لیے مردم شماری کا طریق جاری کیا اور رجسٹرات کھولے جن میں تمام لوگوں کے ناموں کا اندراج ہوا کرتا تھا۔ یوروپین مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے کی اور انہوں نے ہی رجسٹرات کا طریق جاری کیا اس مردم شماری کی وجہ یہی تھی کہ ہر شخص کو روٹی کپڑا دیا جاتا تھا اور حکومت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس بات کا علم رکھے کہ کتنے لوگ ملک میں پائے جاتے ہیں۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ سوویٹ روس نے غرباء کے کھانے اور ان کے کپڑے کا انتظام کیا ہے حالانکہ سب سے پہلے اس قسم کا اقتصادی نظام اسلام نے جاری کیا تھا اور عملی رنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں ہر گاؤں۔ ہر قصبہ اور ہر شہر کے لوگوں کے نام رجسٹر میں درج کئے جاتے تھے ہر شخص کی بیوی اور بچوں کے نام اور ان کی تعداد درج کی جاتی تھی اور پھر ہر شخص کے لیے غذا کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی تا کہ تھوڑا کھانے والے بھی اپنی خواہش کے مطابق کھا سکیں۔

تاریخوں میں ذکر آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں جو

فیصلے فرمائے اُن میں دودھ پیتے بچوں کا خیال نہیں رکھا گیا تھا اور ان کو اس وقت غلہ وغیرہ کی صورت میں مدد ملنی شروع ہوتی تھی۔ جب مائیں اپنے بچوں کا دودھ چُھڑا دیتی تھیں ایک رات حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے گشت لگا رہے تھے کہ ایک خیمہ میں سے کسی بچّہ کے رونے کی آواز آئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وہاں ٹھہر گئے مگر بچّہ تھا کہ روتا چلا جاتا تھا اور ماں اُسے تھپکیاں دے رہی تھی کہ وہ سو جائے جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس خیمہ کے اندر گئے اور عورت سے کہا کہ تم بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتیں۔ یہ کتنی دیر سے رو رہا ہے۔ اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اس نے سمجھا کہ کوئی عام شخص ہے چنانچہ اس نے جواب میں کہا کہ تمہیں معلوم نہیں۔ عمر نے فیصلہ کرایا ہے کہ دُودھ پینے والے بچہ کو غذا نہ ملے ہم غریب ہیں ہمارا گذارہ تنگی سے ہوتا ہے مَیں نے اس بچے کا دُودھ چھڑا دیا ہے تا کہ بیت المال سے اس کا غلہ بھی مل سکے اب اگر یہ روتا ہے تو روئے عمر کی جان کو جس نے ایسا قانون بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسی وقت واپس آئے اور راستے میں نہایت غم سے کہتے جاتے تھے کہ عمر! معلوم نہیں تو نے اس قانون سے کتنے عرب بچوں کا دودھ چھڑا کر آئندہ نسل کو کمزور کرایا ہے ان سب کا گناہ اب تیرے ذمہ ہے یہ کہتے ہوئے آپ سٹور میں آئے اور دروازہ کھولا اور ایک بوری آٹے کی اپنی پیٹھ پر اُٹھالی۔ کسی شخص نے کہا کہ لائیے مَیں اس بوری کو اُٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے کہا نہیں غلطی

میری ہے اور اب ضروری ہے کہ اس کا خمیازہ بھی میں ہی بھگتوں۔ چنانچہ وہ بوری آٹے کی انہوں نے اس عورت کو پہنچائی اور دوسرے ہی دن حکم دیدیا کہ جس دن بچّہ پیدا ہو اُسی دن سے اس کے لیے غلّہ مقرر کیا جائے کیونکہ اس کی ماں جو اس کو دُودھ پلاتی ہے زیادہ غذا کی محتاج ہوتی ہے اب دیکھو یہ انتظام اسلام نے شروع دن سے ہی کیا ہے گو یہ نظام زیادہ دیر جاری نہیں رہا مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہیں ان میں یہی قانون پایا جاتا ہے کہ وہ کئی لہروں سے اپنی بلندی کو پہنچتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ دنیا میں قائم ہو جاتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد پُرانے رسم و رواج کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں مگر دماغوں میں ان کی یاد قائم رہ جاتی ہے اور ایک اچھا بیج دنیا میں بویا جاتا ہے۔ اور ہر شریف اور منصف مزاج انسان تسلیم کرتا ہے کہ وہ اچھی چیز تھی۔ مجھے دوبارہ اس چیز کو دنیا میں واپس لانا چاہیئے۔ پس گو یہ نظام ایک دفعہ مٹ گیا مگر اب اسی نظام کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کے لیے احمدیّت کا درخت لگایا گیا ہے اور وہ دن دُور نہیں جب تمام دنیا اس کے شیریں اثمار کھا کر لذّت حاصل کرے گی اور دنیا سے بھوک اور دُکھ مٹ جائیں گے اور دنیا جنت کا نمونہ ہوگی۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزآخر صفحہ ۶۵ کالم ۲ تا صفحہ ۶۷ کالم ۱)

مزدُوروں کے متعلّق اِسلام کے دُو حکم

"اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ تم مزدور کو اُس کا پورا حق دو اور پھر وہ حق اپنے وقت پر ادا کرو گویا مزدور کے متعلق اسلام دو حکم دیتا ہے اوّل یہ کہ اس کی تنخواہ کام کے مطابق مقرر کرو دوسرے یہ نہ کرو کہ وقت پر اُس کی مزدوری ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لینے لگ جاؤ میں نے دیکھا ہے بالعموم لوگ اس حکم کی پرواہ نہیں کرتے وہ مزدور سے پورا کام لیتے ہیں لیکن جب اُن کی تنخواہ یا اُجرت کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس میں تساہل سے کام لینے لگ جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے دروازہ پر بار بار آتا اور اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے اس پر بھی وہ اُسے اس کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں آج نہیں کل آنا۔ کل آتا ہے تو کہتے ہیں پرسوں آنا۔ اس طرح بار بار اُسے اپنے پاس آنے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی کسی دن اسے ایک روپیہ دے دیتے ہیں کسی دن دو روپے دے دیتے ہیں کسی دن چار روپے دے دیتے ہیں گویا اُسے خراب کر کر کے اُس کی مزدوری دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مزدوری سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اگر اسے اکٹھی اجرت مل جاتی تو وہ اپنی ضروریات اکٹھی

خرید لینا اور اس طرح اُسے فائدہ رہتا، لیکن چونکہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُجرت دی جاتی ہے اس لیے اُسے تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور پھر اکٹھی اُجرت ملنے سے جو فائدہ اُسے پہنچ سکتا تھا وہ بھی نہیں پہنچتا، پس اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ مزدور کے ساتھ اس قسم کا سلوک نہ کیا جائے اسے اُس کا حق پورا ادا کرو اور پھر عین وقت پر ادا کرو۔ یہ نہ ہو کہ وہ اپنے حق کے لیے تمہارے دروازے کھٹکھٹاتا رہے اور تم اُسے بار بار ٹالتے رہو۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۳۴۶ کالم ۱، ۲)

اسلامی حکومت کا طریق کار

امرائے سے مال لیکر غربا کو دیا جائے

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ط

(سورۃ البقرۃ: آیت ۲۲۰)

"اور وہ (لوگ) تجھ سے (یہ بھی) پوچھتے ہیں کہ وہ (یعنی سائل) کیا خرچ کریں تو کہدے کہ جتنا تکلیف میں نہ ڈالے۔"

"اسلام کے احکام کے مطابق ہر مسلمان حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس ملک کے باشندے فاقہ سے نہ رہیں اور ان کے قابلِ ستر مقامات کے لیے کپڑا مہیا کیا کرے گویا انسانی زندگی کی پوری طرح حفاظت کرے اس کے لیے وہ امراء سے شریعت کے حکم کے مطابق مال لیکر غرباء پر خرچ کرتی ہے اس سے زیادہ جو کچھ خرچ کیا جائے وہ امراء کی اپنی مرضی پر منحصر ہے ہاں اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی کوئی شخص فاقہ سے مرتا ہوا کسی کو نظر آئے تو اس کا فرض ہے کہ اس کی جان بچانے کی پوری کوشش کرے، اس دعویٰ کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے اسے اسلام کے اُصو
احکام بتائے اور اُن میں زکوٰۃ کا مسئلہ بھی بیان فرمایا یہ سب کچھ سُن کر
اس شخص نے کہا کہ مَیں اس سے نہ زیادہ کروں گا نہ کم اس پر آپ نے فرمایا
اگر اس نے اس قول کو پورا کر دیا تو یہ کامیاب ہو گیا اس حدیث سے معلو
ہوتا ہے کہ غرباء کی مدد کے لیے زکوٰۃ سے زیادہ دینا کسی پر فرض نہیں۔ ہا
اگر کوئی زیادہ دے تو یہ اس کی نیکی ہے۔"

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کی تشریح

"دراصل اس آیت میں تین قسم کے
کے لیے تین مختلف احکام دئے گئے
اور یہ تینوں احکام عفو کے لفظ کے اندر شامل ہیں پہلا حکم جو ادنیٰ درجہ کا ایم
رکھنے والوں کے لیے ہے وہ تو یہ ہے کہ تم اس قدر خرچ کرو کہ بعد میں تمہارے
میں کوئی تنزل واقع نہ ہو اور تمہارے دین اور ایمان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔
دوسرا حکم ان سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو یہ دیا کہ تمہارا جو اچھے سے ا
مال ہے اسے تم خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور (۳) جو لوگ اس سے
اوپر کے درجہ کے ہیں انہیں یہ حکم دیا کہ وہ بغیر کسی کے سوال کے خود ہی اللہ تعالیٰ
راہ میں اپنے اموال دیدیا کریں گویا اُن سے کسی کو مانگنے کی ضرورت ہی پیش نہ
آنی چاہیئے بلکہ انہیں خود بخود مذہبی اور قومی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے
ہمیشہ اس کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے رہنا چاہیئے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صـــ ۴۹۴ و ۴۹۵ کالم ۱ و ۲)

تیسرا باب

زکوٰۃ کے ذریعہ کمزور طبقہ کو اُونچا کرنے کی تعلیم

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط

(سورۃ البقرۃ : آیت ۱۱۱)

ترجمہ: اور زکوٰۃ ادا کرو۔

" وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ تم زکوٰۃ کے ذریعہ غرباء کی مدد کرو۔ یتامیٰ و
مساکین اور بیوگان کیساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ قوم کے کمزور طبقہ کو
اونچا کرنے کی کوشش کرو اور وہ لوگ جو کفار میں سے نیک نیتی کیساتھ
مذہب کی تحقیق کرنا چاہیں ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرو اس میں
اشارہ فرما دیا کہ ان لوگوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے ہم بچانا چاہتے
ہیں ایسے لوگوں کو حسنِ سلوک کے ذریعے اپنی طرف کھینچ لو جب وہ ان
میں سے نکل آئیں گے تو باقیوں کو ہم ہلاک کر دیں گے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صـــ ۱۱۵ کالم ۱)

غربت دور کرنے کے لیے اسلامی نظام

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ

(سورۃ النمل : آیت ۴)

ترجمہ: اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

" زکوٰۃ کی ضرورت اور اس کی اہمیت درحقیقت غربت کے سوال
پیدا ہوتی ہے اور غربت ایک ایسی چیز ہے جو کبھی بھی بنی نوع انسان سے
نہیں ہوئی۔ عام طور پر لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ جب دنیا کی آبادی بڑھ
ہے تو ایک حصہ غریب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ آبادی
کمی کی صورت میں بھی ہمیں غربت ویسی ہی نظر آتی ہے جیسے اس کی کثرت
صورت میں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں باوجود اس کے
اس وقت صرف چند ہی افراد تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان
سے بھی بعض پر غربت کا زمانہ آیا تھا کیونکہ فرماتا ہے کہ اگر تو اس جنت
رہے گا تو تو پیاسا نہیں رہے گا۔ تیرے ساتھی بھوکے نہیں رہیں گے۔
تیرے ساتھی ننگے نہیں رہیں گے۔ اس وسیع دنیا میں جہاں ہر دولت
ہر خزانہ خالی پڑا تھا اور کسی کا کوئی مالک نہیں تھا کسی مخصوص قانون

کہ روزی ملنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا تھا۔ ساری دنیا کا سونا اُن کے قبضہ
میں تھا۔ ساری دنیا کی چاندی اُن کے قبضہ میں تھی۔ ساری دنیا کا پیتل اُن کے
قبضہ میں تھا۔ ساری دنیا کا لوہا اُن کے قبضہ میں تھا۔ ساری دنیا کے پھل۔
پھول اور اعلیٰ درجہ کی زمینیں اُن کے قبضہ میں تھیں پھر یہ سوال کیونکر پیدا ہوا
کہ اگر تو ایک خاص قانون کے ماتحت رہے گا تو بھوک اور ننگ سے بچ جائے
گا اس سے معلوم ہوا کہ باوجود ساری دولتوں کے پھر بھی اس بات کا امکان
تھا کہ بعض لوگ بھوکے رہیں بعض پیاسے رہیں اور بعض ننگے رہیں اور یہ صحیح بات
ہے درحقیقت دنیا میں دولت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بالقوۃ اور
ایک بالفعل۔ پھر بالفعل بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک بالفعل دولت ایسی ہوتی
ہے جو سکّہ کی صورت میں ہو۔ یا اُن چیزوں کی صورت میں جن سے دوسری اشیاء
خریدی جا سکتی ہیں اور ایک بالفعل دولت اجناس کی صورت میں بھی ہوتی ہے
جن کو استعمال کیا جاتا ہے پھر اجناس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بغیر کسی اور
تیاری کے انسان کے استعمال میں آجاتی ہیں۔ اور ایک وہ جن کی
تیاری کے لیے کوشش اور سعی کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک بالقوۃ دولت
یعنی وجود دولت کا سوال ہے انگریزوں نے اس کا نام ویلتھ رکھا ہے اور
اس سے مراد کسی ملک کے وہ سامان دولت ہوتے ہیں جو اس میں قدرتی طور
پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی ملک میں سونے کی کانیں ہیں یا چاندی کی

کا نہیں ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اس کے پاس ویلتھ ہے مگر اس کے یہ معنے
نہیں ہوں گے کہ اس کے پاس روپیہ ہے اگر وہ چاندی اس تک پہنچ نہیں
سکی یا لوگوں کے پاس زرخیز زمینوں میں گندم اور روئی بونے کے سامان نہ
تو پھر بھی وہ لوگ بھوکے اور پیاسے اور ننگے رہیں گے پس ایک دولت تو اس
کی ہوتی ہے جو بالقوۃ ہوتی ہے اگر اس ملک کے لوگوں میں صنعت و حرفت
نہیں یا انہیں زمینداری کا علم نہیں تو باوجود اس کے کہ وہ کانوں پر بیٹھے
گے اور کروڑوں کروڑ روپیہ کا سونا اُن میں موجود ہوگا وہ زرخیز زمینوں
بیٹھے ہوں گے ایسی زمینوں پر کہ اگر اس میں ایک دانہ بھی ڈال دیا جائے تو سو
دانے پیدا ہوں، لیکن پھر بھی وہ فاقے مر رہے ہوں گے گویا ان کے پاس
دولت تو ہوگی، لیکن ساکن دولت ہوگی، لیکن اگر دنیا میں کوئی ایسا نظام
ہو جاتا ہے جو لوگوں کو مختلف قسم کے فنون سکھاتا ہے خواہ الہام کے ذریعہ
یا القائے الٰہی کے ذریعہ سے اور وہ کہتا ہے کہ آؤ ہم تمہیں زمینداری کا طریق
ہیں۔ کپڑا بننے کے طریق سکھاتے ہیں یا اسی قسم کے اور فنون سکھاتے ہیں جن
اپنی تمدنی حالت کو سدھار سکو تو یقیناً اس کے ذریعہ لوگوں کی بھوک اور
کی پیاس دُور ہو جائے گی جیسے اسلام کی روایتوں میں خواہ وہ کتنی
کمزور کیوں نہ ہوں یہ آتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے لوگوں کو زراعت سکھائی
حضرت شیثؑ نے ان کو کپڑا بُننا سکھایا۔ اب چاہے انہیں آدمؑ نے سکھایا

یا شیثؑ نے یا کسی اور نے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں اس قسم
کے امور میں الہام الٰہی مدد کرتا تھا۔ جیسے قرآن کریم میں صاف طور پر یہ ذکر
آتا ہے کہ زبان ابتداء میں الہاماً سکھائی گئی تھی۔ چنانچہ فرماتا ہے عَلَّمَ
آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اس سے قیاس کر کے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح ابتدائی
زمانہ میں الہام کے ذریعہ زبان کا سکھایا جانا ضروری تھا اسی طرح الہام کے ذریعہ
انہیں فنون سکھائے جانے بھی ضروری تھے ورنہ اس کے بغیر انسان مدتوں تک
تکلیف اٹھاتا چلا جاتا پس اگر کوئی نبی آجائے اور وہ یہ کہے کہ تم زمین میں ہل
چلاؤ اور کھیتی باڑی کرو اسی طرح وہ مختلف قسم کے درخت اور باغات لگانے
کی تعلیم دے تو یقیناً اس کے نتیجہ میں اس کے ماننے والوں کو روٹی ملنے لگ
جائے گی اور وہ لوگ جو نبی کے تابع نہیں ہوں گے اگر وہ زبان سیکھنے سے انکار
کردیں تو گونگے رہیں گے اور اگر کھیتی باڑی نہیں کریں گے یا کپڑا بننا نہیں
سیکھیں گے یا کنوئیں نہیں کھودیں گے یہ فنون ابتدائی دور میں خواہ کیسی ہی
ابتدائی شکل میں ہوں۔ خواہ کھال سے وہ اپنا ننگ ڈھانکتے ہوں یا پھلوں
پر ان کا گذارہ ہوتا ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو لوگ
اس نظام کے ماتحت آجائیں گے وہ بھوک اور پیاس اور ننگ سے بچ
جائیں گے، لیکن باوجود اس کے پھر بھی ایک طبقہ ایسا رہ جاتا ہے جو غریب
ہو کیونکہ حوادث آتے ہیں اور انسان کو بے دست و پا بنا دیتے ہیں فرض

کرو دنیا کے پردہ پر ایک ہی انسان ہے کشمیر بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ ہزارہ بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ کابل کی وادیاں بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور اس طرح دنیا کے سارے انگور ساری ناشپاتیاں اور سارے سیب اور سارے آم اس کے قبضہ میں ہیں، لیکن اس کے ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہیں اور پیر بھی کٹے ہوئے ہیں تو وہ اُس دولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور پھر بھی بھوکا اور پیاسا رہے گا پس ابتدائی زمانہ میں باوجودیکہ دولت موجود تھی دنیا اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کیونکہ اُسے فنون نہیں آتے تھے جب آدمؑ کے ذریعہ دنیا نے فنون سیکھے اور اُن کی بھوک اور پیاس اور لباس کی دقت دور ہوئی تو پھر بھی ایک طبقہ ایسا رہ گیا جو اِن چیزوں سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا جیسے لولے۔ لنگڑے اور اپاہج وغیرہ اب چاہے ساری دنیا میں صرف پندرہ آدمی ہوں اور دو لولے ہوں پھر بھی دو لولے اپنی بھوک اور پیاس کیسے دور کر سکتے ہیں جب تک ان پندرہ میں کوئی نظام موجود نہ ہو اور وہ اِن لُولوں لنگڑوں کی بھوک اور پیاس دور کرنے کا ذمہ وار نہ ہو۔ آدمؑ کی نبوت کی بنیاد اصل میں اُن ابتدائی تعلیموں پر ہی تھی جن سے انسان انسان بنا۔ آپ نے بنی نوع انسان کو زبان سکھائی۔ مختلف قسم کے فنون کی تعلیم دی۔ تمدن کے اصول بتائے۔ انہیں بتایا کہ آپس میں مل کر رہنا چاہئیے اور اگر کوئی غریب یا لولا لنگڑا ہو تو اس کی مدد کرنی چاہئیے جب اس قسم کی سوسائٹی

قائم ہو جائے گی تو ہم کہہ سکیں گے کہ یہ سوسائٹی نہ بھوکی رہے گی نہ ننگی اور نہ پیاسی اگر کوئی لُولا لنگڑا ہو گا تو دوسرے لوگ اس کی مدد کریں گے اور اگر لوگ بھوکے ہوں گے تو وہ زراعت اور باغبانی اور کان کنی کے ذریعہ اپنی اس تکلیف کو دُور کر سکیں گے اور اس طرح دنیا کو روپیہ بھی مل جائے گا اور اُن کی تکالیف بھی دور ہو جائیں گی پس غربت کا مسئلہ اس زمانہ کی پیداوار نہیں بلکہ جب سے انسان اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اُس وقت سے یہ سوال زیر بحث چلا آیا ہے جب ساری دنیا کے مالک صرف دو چار گھرانے تھے تب بھی غربت موجود تھی اور تب بھی ایک قانون کی ضرورت تھی اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ بنی نوع انسان کو یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم اِن قواعد کی پابندی کرو گے تو بھوکے اور پیاسے نہیں رہو گے جس کے معنے یہ ہیں کہ آدمؑ کے زمانے میں بھی جب صرف چند آدمی تھے ممکن تھا کہ لوگ بھوکے رہیں ممکن تھا کہ وہ پیاسے رہیں اور ممکن تھا کہ وہ ننگے پھریں۔ پھر لوگ بڑھنے شروع ہوئے۔ پندرہ (۱۵) سے بیس (۲۰) اور بیس (۲۰) سے سَو (۱۰۰)۔ سَو (۱۰۰) سے ہزار (۱۰۰۰) ہزار سے دس ہزار اور دس ہزار سے لاکھ تک تعداد جا پہنچی اور بڑھتے بڑھتے اب تو دو (۲) اڑھائی ارب تک آبادی پہنچ چکی ہے مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے پندرہ آدمیوں کی صورت میں بھی دنیا بھُوکی اور ننگی رہ سکتی تھی سو آدمیوں کی صورت میں بھی دنیا بھوکی اور ننگی رہ سکتی تھی۔ بھوک اور ننگ کی بنیاد دولت پر نہیں ہوتی یہ ایک غلط خیال ہے جو لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ غربت آبادی کی

کثرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اصل وجہ یہ ہے کہ غربت اور امارت کا دارو
اس امر پر ہے کہ قانونِ قدرت نے زمین میں جو خزانے مخفی رکھے ہیں انسان
کو کس حد تک استعمال کرتا ہے اور کس حد تک اُن کو استعمال کرنے کی عقل اور
رکھتا ہے مثلاً اگر سونا ہو اور غلّہ نہ ہو تو محض سونے سے لوگوں کی بھُوک دُور نہ
ہو سکے گی یا اگر غلّہ بھی آجائے مگر روٹی پکانی نہیں آتی تو پھر بھی انسان بھوکا ر
گا۔ ایسی صورت میں ضروری ہوگا کہ کچھ مدد گار ہوں کچھ لوگ کمانے والے ہوں
اور کچھ لوگ پکانے والے ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کا سلس
قائم کیا ہے غرض کئی قدم ہوتے ہیں جب تک وہ سارے کے سارے مہیّا نہ
ہوں۔ انسان بھوک او رتنگ سے بچ نہیں سکتا یہ دَور ابتدائے عالم سے چلتا
چلا آیا ہے ایک زمانہ ایسا تھا جب بنی نوع انسان کے پاس ذرائع آمد زیادہ
ہوتے تھے اور کم حصّہ مجبوریوں میں گرفتار ہوتا تھا مثلاً اگر ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے
لوگوں کو دیکھا جائے یا اُن لوگوں کی تعداد معلوم کی جائے جو بڑھاپے اور بیماری
کی وجہ سے کسی کام کے قابل نہیں رہتے تو وہ کتنے ہوں گے میں سمجھتا ہوں کہ
وہ ایک دو فیصدی سے زیادہ نہیں ہوں گے، لیکن کام نہ ملنے کی وجہ سے ہزار
میں سے نو سو بھی بیکار ہو سکتے ہیں جب کسی ملک کی آبادی بڑھ جاتی ہے،
لیکن ذرائعِ آمد ترقی نہیں کرتے تو دس میں سے بعض دفعہ نو بیکار پھرتے
ہیں۔ مگر اس لیے نہیں کہ وہ معذور ہوتے ہیں بلکہ اس لیے کہ انہیں کام نہیں

ملتا پس جب دنیا کی آبادی بڑھ گئی تو یہ سوال نہ رہا کہ زمین میں سے دولت
کس طرح نکالی جائے؟ بلکہ اس سوال کی صورت بالکل بدل گئی کیونکہ بعض
لوگ ایسے تھے کہ باوجود اپنا سارا زور صرف کرنے کے کام سے محروم رہتے تھے
ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ نئے کام نکالے جائیں
غرض یہ دَور اسی طرح چلتے چلے آئے ہیں اور دنیا نے فقر و فاقہ کی تکالیف
دُور کرنے کے لیے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ کبھی ایسا دَور آیا کہ
لوگوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہنے کے قابل
ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے جیسے
ہندوستان میں شودروں کی کثرت تھی مگر برہمنوں اور کھشتریوں نے یہ
کہنا شروع کر دیا کہ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں زندہ رہیں یہ اگر
مرتے ہیں تو بے شک مریں۔ چنانچہ انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی، اور
شودروں کا کوئی حق متمدن زندگی میں تسلیم نہ کیا گیا پھر بعض لوگوں نے یہ کہنا
شروع کر دیا کہ اس مصیبت کا علاج صدقہ وخیرات ہے جن کے پاس زیادہ مال
ہو انہیں چاہیئے کہ وہ غرباء کی مدد کر دیا کریں۔
غرض مختلف تدابیر اپنے اپنے رنگ میں اختیار کی گئیں مگر کوئی
بھی تدبیر ایسی کامل نہیں تھی جس سے اس مصیبت کو کلیتہً دُور کیا جا سکتا۔
اسلام ہی تھا جس نے اس سوال کا صحیح معنوں میں حل کیا اور اس

نے فیصلہ کیا کہ اس قسم کا صدقہ کوئی چیز نہیں ایک معیّن اور منظ
صورت میں غرباء کی بہبودی کا انتظام ہونا چاہیئے چنانچہ اس
اس نے زکوٰۃ اور عُشر کا طریق جاری کیا جس میں امراء سے باقاعدہ ایک
کے ماتحت روپیہ لیا جاتا اور غرباء کی ضروریات پر صرف کیا جاتا پھر اُن
خبرگیری کے طریق بھی معیّن کر دیئے یوں تو پہلے بھی حکومتیں ٹیکس لیا کرتی تھیں
مگر ان کا خرچ معیّن نہیں تھا۔ اسلام نے اوّل آمد پر ایک مقرر حصہ
کرنا واجب کر دیا اور اس امر کا فیصلہ کیا کہ امراء سے بہرحال ا
روپیہ لے لیا جائے دوسری طرف اس نے خرچ معیّن کر دیا اور
طرح غرباء کے گذارہ کی صورت پیدا کر دی۔ آمد اور خرچ سے تعلق
والے یہ دو[5] نقطے ایسے ہیں جو اسلام سے پہلے اور کسی قوم میں نہیں
پائے جاتے تھے۔ زکوٰۃ یہودیوں میں بھی ہے مگر ناقص صورت میں
لیکن اسلام نے اس قانون کو مدوّن کر کے ایک ایسا عظیم الشان نظ

۵؎ دیکھو خروج باب ۲۳۔ آیت ۱۰۔۱۱۔

ئم فرمایا جو ہمارے لیے ہر تاریکی کی گھڑی میں شمع ہدایت کا کام دیتا ہے مگر
سوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اس نظام کی پوری اہمیت نہ سمجھی اور
ھیانے کے بڑھے دریا کی طرح یہ نظام بھی ریت میں غائب ہو گیا اور مسلمان
سے کلیتہً غافل ہو گئے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں
پہلا کام ہی یہ کیا تھا کہ جائداد والوں کو بے جائداد والوں کا بھائی بنا دیا۔
ار جائدادوں کے مالک تھے اور مہاجرؓ بے جائداد تھے۔ رسول کریم صلی
علیہ وسلم نے انصارؓ اور مہاجرینؓ دونوں میں مواخات قائم فرما دی اور ایک
جائداد والے کو ایک ایک بے جائداد والے سے ملا دیا اور اس میں بعض
ں نے اتنا غلوّ کیا کہ دولت تو الگ رہی بعض کی اگر دو بیویاں تھیں تو انہوں نے
مہاجر بھائیوں کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ وہ اُن کی اپنی ایک بیوی کو طلاق دینے
لیے تیار ہیں وہ اُن سے بیشک شادی کر لیں یہ مساوات کی پہلی مثال
ور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جاتے ہی قائم فرمائی کیونکہ حکومت
نہیاد دراصل مدینہ میں ہی پڑی تھی۔ اس زمانہ میں زیادہ دولتیں نہ تھیں یہی
ت تھی کہ امیر اور غریب کو اس طرح ملا دیا جائے کہ ہر شخص کو کھانے
کوئی چیز مل سکے پھر ایک جنگ کے موقعہ پر بھی رسول کریم صلی
علیہ وسلم نے اس طریق کو استعمال فرمایا گو اس کی شکل بدل دی

ایک جنگ کے موقعہ پر آپ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے پا
کھانے کو کوئی چیز نہیں رہی یا اگر ہے تو بہت ہی کم اور بعض کے
کافی چیزیں ہیں تو یہ صورتِ حالات دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ
نے فرمایا کہ جس جس کے پاس جو کوئی چیز ہے وہ لے آئے اور ایک
جمع کر دی جائے چنانچہ سب چیزیں لائی گئیں اور آپ نے را
کر دیا گویا یہاں بھی وہی طریق آگیا کہ سب کو کھانا ملنا چاہیئے
تک ممکن تھا سب لوگ الگ الگ کھاتے رہے مگر یہ امر نا
گیا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ بعض لوگ بھوکے رہنے لگ جائیں
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہیں علیحدہ کھ
اجازت نہیں اب سب کو ایک جگہ سے برابر کھانا ملے گا۔
کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ہم نے
سختی سے عمل کیا کہ اگر ہمارے پاس ایک کھجور بھی ہوتی تو ہم

ھانا سخت بد دیانتی سمجھتے تھے اور اس وقت تک چین نہیں لیتے تھے
جب تک کہ اس کو سٹور میں داخل نہیں کر دیتے تھے یہ دوسرا نمونہ تھا
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
یت بھی آئی اور خزانوں کے منہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیئے مگر اللہ
الیٰ چاہتا تھا کہ اس بارہ میں تفصیلی نظام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
بعد جاری ہو تا لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
صوصیت تھی کوئی اور شخص اسے جاری نہیں کر سکتا چنانچہ ادھر اللہ تعالیٰ
آپ کے ہاتھ سے ایک نمونہ قائم کر دیا اور اُدھر مدینہ پہنچتے ہی انصارؓ نے
دولتیں مہاجرین کے سامنے پیش کر دیں۔ مہاجرین نے کہا ہم یہ زمینیں
ت میں لینے کے لیے تیار نہیں۔ ہم ان زمینوں پر بطور مزارع کام کریں
اور تمہارا حصہ تمہیں دیں گے، لیکن یہ مہاجرین کی طرف سے اپنی ایک
ش کا اظہار تھا۔ انصارؓ نے اپنی جائدادوں کے دینے میں کوئی پس وپیش
کیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے گورنمنٹ راشن دے تو کوئی شخص نہ لے
سے گورنمنٹ زیر الزام نہیں آئے گی یہی کہا جائے گا کہ گورنمنٹ نے تو
مقرر کر دیا تھا اب دوسرے شخص کی مرضی تھی کہ وہ چاہے لیتا یا نہ لیتا۔
رح انصارؓ نے سب کچھ دیدیا تھا یہ الگ بات ہے کہ مہاجرینؓ نے نہ

لیا غرض عملی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام اپنی زندگ
ہی شروع فرما دیا تھا یہاں تک کہ جب بحرین کا بادشاہ مسلم
تو آپ نے اُسے ہدایت فرمائی کہ تمہارے ملک میں جن لوگو
پاس گذارہ کے لیے کوئی زمین نہیں ہے تم ان میں سے ہر شخ
چار درہم اور لباس گذارہ کے لیے دو تاکہ وہ بھوکے اور ننگے
س کے[۱] بعد مسلمانوں کے پاس دولتیں آنی شروع ہو گئیں چونکہ مسلم
تھے اور دولت زیادہ تھی اس لیے کسی نئے قانون کے استعمال کی اہ
ضرورت محسوس نہ ہوئی کیونکہ جو غرض تھی وہ پوری ہو رہی تھی اصول
کہ جب خطرہ ہو تب قانون جاری کیا جائے اور جب نہ ہو اُس و
اجازت ہے کہ حکومت اس قانون کو جاری کرے یا نہ کرے جب ر
کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور مسلمان دنیا کے مختلف گوشو
پھیلنے شروع ہوئے تو اس وقت غیر قومیں بھی اسلام میں شامل ہو
عرب لوگ تو ایک جتھہ اور ایک قوم کی شکل میں تھے اور وہ ا
مساوات بھی قائم رکھتے تھے جب اسلام مختلف گوشوں میں پہنچا او

۱؎ السیرت النبویہ بر حاشیہ السیرت الحلبیہ جلد ۳ ص ۶۹

قومیں اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں تو اُن کے لیے روٹی کا انتظام بڑا مشکل ہو گیا۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کی مردم شماری کرائی اور راشننگ سسٹم قائم کر دیا جو بنو امیہ کے عہد تک جاری رہا۔ یورپین مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کرائی تھی اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ سب سے پہلی مردم شماری رعایا سے دولت چھیننے کے لیے نہیں بلکہ اُن کی غذا کا انتظام کرنے کے لیے جاری کی تھی اور حکومتیں تو اس لیے مردم شماری کراتی ہیں کہ لوگ قربانی کے بکرے بنیں اور فوجی خدمات بجا لائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس لیے مردم شماری نہیں کرائی کہ لوگ قربانی کے بکرے بنیں بلکہ اس لیے کرائی کہ اُن کے پیٹ میں روٹی ڈالی جائے چنانچہ مردم شماری کے بعد تمام لوگوں کو ایک مقررہ نظام کے ماتحت غذا ملتی اور جو باقی ضروریات رہ جاتیں۔ ان کے لیے ماہوار کچھ رقم دی جاتی اور اس بارہ میں اتنی احتیاط سے کام لیا جاتا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام فتح ہوا اور وہاں سے زیتون کا تیل آیا تو آپ نے

ایک دفعہ لوگوں سے کہا کہ زیتون کے استعمال سے میرا پیٹ پھول جا
ہے تم مجھے اجازت دو تو میں بیت المال سے اتنی ہی قیمت کا گھی لے لیا
کروں[۱] غرض یہ پہلا قدم تھا جو اسلام میں لوگوں کی ضروریات کو پورا
کرنے کے لیے اٹھایا گیا اور ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام قائم ہو جائے تو
اس کے بعد کسی اور نظام کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ سارے ملک
کی ضروریات کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ اُن کا کھانا۔ ان کا پینا ان
کا پہننا ان کی تعلیم اُن کی بیماریوں کا علاج اور ان کی رہائش کے
لیے مکانات کی تعمیر یہ سب کا سب اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگا

اور اگر یہ ضروریات پوری ہوتی رہیں تو کسی بیمہ وغیرہ کی ضرورت نہیں
مگر بدقسمتی سے بعد میں آنے والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بادشاہ
مرضی پر منحصر ہے وہ چاہے تو کچھ دیدے اور چاہے تو نہ دے اور چونکہ اسلا
تعلیم ابھی پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی تھی وہ لوگ پھر قیصر و کسریٰ کے ط
کی طرف مائل ہو گئے۔ اب مقدر یہ ہے کہ پھر دوبارہ اس کی لہر بلند ہو اور ا

[۱] سیرۃ عمر ابن الخطاب لابن الجوزی صہ ۹۳

جائے کہ دوسری لہر پہلی لہر سے زیادہ اونچی ہو۔ بہرحال ہر لہر کے بعد ایک انحطاط
لیکن آتا ہے اور لوگ اصل تعلیم کو بھول جاتے ہیں جب تک یہ چیز قائم
رہے اُس وقت تک کسی انشورنس وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ انشورنس
کی غرض آخر کیا ہوتی ہے؟ یہی کہ اگر ہم مر جائیں تو ہمارے بیوی بچوں
کو روٹی ملتی رہے۔ کپڑا ملتا رہے۔ سامانِ خورونوش اور مکان ملتا رہے
حکومت ان تمام چیزوں کی ذمہ دار ہوگی تو انشورنس کی کوئی ضرورت
نہیں رہتی کیونکہ ساروں کو مکان بھی مل رہا ہوگا۔ غذا بھی مل رہی ہوگی
کپڑا بھی مل رہا ہوگا۔ ان کی تعلیم کا بھی انتظام ہو رہا ہوگا اور ان کی
بیماریوں کا علاج بھی ہوگا یہی وہ قومی اخراجات ہیں جن کی ادائیگی
کے لیے اسلام نے زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا وسیع نظام جاری فرمایا
ہے اور مومنوں کی علامت ہی اُس نے یہ بتائی ہے کہ وہ زکوٰۃ
ادا کرتے ہیں اور اس طرح مخلوق کی خدمت کر کے خالق کو حاصل
کرتے ہیں دنیا میں بہترین ذریعہ کسی کی محبت حاصل کرنے کا یہی ہوتا
ہے کہ اس کے کسی عزیز سے محبت کی جائے۔ ریلوے سفر میں روزانہ یہ

نظارہ نظر آتا ہے کہ پاس بیٹھے ہوئے دوست کے بچہ کو ذرا پچکار د
یا اُسے کھانے کے لیے کوئی چیز دے دیں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی ا
کا باپ اُس سے محبّت کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ گویا وہ اس کا بہ
پرانا دوست ہے یہی طریق روحانی دنیا میں بھی جاری ہے۔ جب
انسان بنی نوع انسان کی بھوک اور اُن کے افلاس کو دُور کرنے ک
لیے اپنا خرچ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ چونکہ یہ میرے پیارو
کی خدمت کرتا ہے اِس لیے اسے بھی میرے پیاروں میں داخل ک
لیا جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوئم صـ۲۰ کالم عـ۲ تا صـ۲۷ کالم عـ۲)

زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت کا معاشی پس منظر

اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ

(سورۃ نور- آیت ۳۹)

(مسلمانوں کو) زکوٰۃ دینے سے (کوئی تجارت اور سودا غافل نہیں کرتا)

زکوٰۃ

"اسلام نے زور دیا ہے (کہ) جو کچھ کماؤ اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ اسلام نے بے شک روپیہ کو بند رکھنا ناجائز قرار دیا ہے مگر روپیہ کمانا منع نہیں کیا۔ پس فرماتا ہے اگر تم روپیہ کماتے ہو اور کچھ روپیہ اپنی ضروریات کے لیے عارضی طور پر جمع کر لیتے ہو جس پر ایک سال گذر جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ اگر کوئی شخص باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو دین کی خاطر کماتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ دنیا محض دنیا کی خاطر کما رہا ہے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا شوق

اس کے دل میں نہیں۔ اگر واقعہ میں اس کے دل میں خدا تعالیٰ کے فر
اور اس کی محبت کو جذب کرنے کا احساس ہوتا اگر دنیا کو وہ دین
خاطر کما رہا ہوتا تو اس کا فرض تھا کہ وہ اپنے مال میں سے خدا تعالیٰ
حق ادا کرتا اور پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتا، لیکن جب وہ
ادا نہیں کرتا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا تابع ہے
خدا تعالیٰ کے احکام کا تابع نہیں۔ زکوٰۃ کے متعلق اسلامی شریعت
اتنے شدید احکام پائے جاتے ہیں کہ صحابہؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص
ادا نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں رہتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کر
میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ تم جو کچھ مال
ہو اس میں دوسرے لوگوں کا بھی حصّہ ہے کیونکہ مال جن چیزو
کمایا جاتا ہے وہ ساری کی ساری ایسی ہیں جو کسی خاص شخص
مِلک نہیں بلکہ ساری دنیا ان پر حق رکھتی ہے مثلاً تجارت کو
تجارت لوہے کی ہوتی ہے یا لکڑی کی ہوتی ہے یا اور بعض چیزوں
ہوتی ہے مگر کیا لوہا اور لکڑی تاجر آپ بناتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے
بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئلہ بنایا ہے

انسانوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے مٹی کا تیل بنایا ہے سارے انسانوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے کپاس بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے گندم بنائی ہے سارے انسانوں کے لیے۔ مگر جب ایک شخص ان چیزوں سے خاص طور پر نفع کماتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اس کا ٹیکس ادا کرو کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ساری دنیا مالک ہے پس جس طرح مزارع اپنے مالک کو ٹیکس ادا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ٹیکس ادا کرے وہ فرماتا ہے چونکہ تم کسان بنے اور تم نے اس زمین میں زراعت کی جو ساری دنیا کی ہے اس لیے اب تمہارا فرض ہے کہ تم مالک کو اس کا حق دو چنانچہ اڑھائی فیصدی ٹیکس اس سے وصول کیا جاتا ہے اور پھر جو نظام مقرر ہوتا ہے وہ اس ٹیکس کو غرباء کی مدد کے لیے خرچ کرتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ٹیکس ادا نہیں کرتا یا ادا تو کرتا ہے مگر پورے طور پر ادا نہیں کرتا کسی قدر حصّہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے وہ ایک چور کی حیثیت رکھتا ہے بظاہر ایک شخص کپڑے کا تاجر ہوگا، لیکن درحقیقت وہ چور ہوگا کیونکہ کپڑا آخر کن چیزوں سے تیار ہوتا ہے کپڑا تیار ہوتا ہے روئی سے اور روئی تیار ہوتی ہے زمین سے اور زمین کسی خاص شخص کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے لیے بنائی ہے پس جب زمین ساری دنیا کے لیے بنائی ہے

اور اسی زمین سے روئی کی فصل تیار کر کے ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ٹیکس کو ادا کرے جو اس پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اُس نے اس چیز سے فائدہ اٹھایا جس میں ساری دنیا کا حصہ تھا۔ اسی طرح زمینوں پر زکوٰۃ کا حکم ہے کیونکہ زمین کسی ایک شخص کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی ہے اگر بعض وجوہ سے کوئی ٹکڑا کسی شخص کے قبضہ میں چلا گیا ہے تو بہر حال اُسے غریبوں کو اُن کا حق دینا پڑیگا۔ اور وہ یہ کہکر اس ٹیکس سے نہیں بچ سکتا کہ جب مَیں نے اپنی ذاتی کوشش سے یہ روپیہ کمایا ہے تو مَیں غریبوں کو اپنے مال کا ایک حصہ کیوں دوں اس لیے کہ اس نے ذاتی محنت سے روپیہ کمایا مگر بہر حال اس نے روپیہ ایک ایسی چیز سے کمایا ہے جو ساری دنیا کے لیے مشترک تھی اور جس میں غرباء کا حق بھی رکھا گیا تھا پس اسلام کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے زکوٰۃ لی جائے گی اور غرباء پر خرچ کی جائے گی اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو وہ یقیناً چور ہے خواہ وہ یہ کہے کہ مَیں نے رات اور دن محنت کر کے مٹی کے تیل کی تجارت سے یہ روپیہ کمایا ہے خواہ وہ یہ کہے کہ مَیں نے رات دن محنت کر کے لوہے کے کارخانہ سے روپیہ کمایا ہے۔ خواہ کسی چیز کی تجارت سے اس نے روپیہ کمایا ہو اس میں ساری دنیا کا حصہ ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس کو ادا کرے اور اگر وہ بغیر اس ٹیکس کو ادا کرنے کے روپیہ اپنے گھر میں لے جاتا ہے تو

اسلام اُسے قطعاً مومن کہنے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ ٹیکس دوہرا ہو گیا ہے یعنی گورنمنٹ بھی لیتی ہے اور اسلام بھی ایک ٹیکس لیتا ہے اس لیے جس چیز پر گورنمنٹ کی طرف سے ٹیکس عائد ہوتا ہے اگر اس کے ٹیکس کی رقم زکوٰۃ کے برابر یا زکوٰۃ سے زیادہ ہو تو پھر زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گورنمنٹ جمع شدہ مال پر ٹیکس نہیں لیتی بلکہ آمد پر ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن اسلام اس مال سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے جو انسان کے پاس جمع ہو اور جس پر ایک سال گذر گیا ہو فرض کرو ایک شخص دس ہزار روپیہ سالانہ کماتا ہے اور گورنمنٹ اس سے ٹیکس لے لیتی ہے اور وہ ٹیکس زکوٰۃ سے زیادہ ہے تو ہم کہیں گے کہ اب ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جیسے زمیندار سے بھی گورنمنٹ مالیہ وصول کر لیتی ہے تو اس کے بعد اگر وہ مالیہ زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔ لیکن اگر کوئی زمیندار معاملہ ادا کرنے کے بعد اپنے اخراجات میں کفایت سے کام لینا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ کچھ روپیہ پس انداز کر لیتا ہے جس پر ایک سال گذر جاتا ہے تو اس روپیہ پر زکوٰۃ کا حکم عائد ہو جائے گا فرض کرو اس نے کفایت کرتے کرتے پانچ ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے اور اس پانچ ہزار روپیہ پر ایک

سال گذر گیا ہے تو اسلام کی طرف سے اس پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگ
پس جمع شدہ مال پر جب سال گذر جائے اور وہ مال زکوٰۃ کے نصاب
کے اندر ہو تو شریعت کی طرف سے زکوٰۃ کا حکم انسان پر عائد ہو جا
خواہ وہ زمیندار کا مال ہو یا تاجر کا ہو یا کسی اور کا ہو۔ ہاں اس مال
جس میں سے گورنمنٹ نے زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زائد ٹیکس لے لیا
زکوٰۃ واجب نہیں مگر کچھ نہ کچھ رقم ثواب میں شمولیت کے لیے اسے طو
طور پر پھر بھی دینی چاہیئے ہاں اگر انکم ٹیکس یا مالیہ کم ہو اور زکوٰۃ یا عُ
اس پر زیادہ عائد ہوتا ہو تو پھر جتنی کمی رہ جائے گی اس کو پورا کرنا اس
فرض ہو گا۔ فرض کرو زکوٰۃ کے بیس روپے کسی شخص کے ذمے تھے گورنمنٹ
نے ٹیکس کے ذریعے پندرہ روپے وصول کر لیے تو باقی پانچ روپے اسلا
کا قائم کردہ نظام اُس سے ضرور وصول کرے گا، لیکن اگر گورنمنٹ
اس سے ٹیکس اکیس روپے لے لیے ہیں تو پھر زکوٰۃ اس پر واجب نہ
ہو گی۔ زکوٰۃ کا حکم ایسے شخص پر اس صورت میں عائد ہو گا جب وہ
آمد کو جمع رکھے اور پھر اس جمع شدہ مال پر بشرطیکہ وہ نصاب کے مطابق
ہو ایک سال گذر جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل صفحہ ۳۳۹-۳۴۱)

اموال میں سب بنی نوع انسان کا اشتراک

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○

(سورۃ المؤمنون: آیت ۵)

(ترجمہ) "اور (وہ کامل مومن اپنی مراد کو پہنچ گئے) جو زکوٰۃ
(باقاعدہ) دیتے ہیں۔"

"اسلام اس نظریہ کا حامل ہے کہ دنیا میں جس قدر چیزیں پائی
جاتی ہیں وہ سب کی سب خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے مشترکہ
فائدہ کے لیے پیدا کی ہیں کسی ایک فرد کے لیے مخصوص نہیں کی گئیں اور
چونکہ ہر قسم کی دولت جو دنیا میں حاصل کی جاتی ہے دوسرے لوگوں کی
مدد سے حاصل کی جاتی ہے اور مزدور کی مزدوری ادا کرنے کے بعد
بھی دولت مند کے مال میں ان کا حق باقی رہ جاتا ہے اس لیے
اسلام نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے تاکہ انسانی اموال دوسروں کے حقوق
کی ملونی سے پاک ہو جائیں مثلاً ایک کان کا مالک اگر ان تمام مزدوروں

جو کان میں کام کرتے ہیں۔ اُن کی پوری مزدوری بھی ادا کر دے تبھی
بھی وہ جو کچھ ادا کریگا وہ ان کی اجرت ہو گی حالانکہ قرآنی تعلیم کے
مطابق وہ لوگ بھی اُس کان میں حصّہ دار تھے پس مزدوری ادا
کرنے کے بعد وہ حقِّ ملکیّت جو مزدوروں کو حاصل تھا ادا نہیں
ہوتا۔ اس کی ادائیگی کی ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اُن مزدوروں کو
کچھ زائد رقم دیدی جاتی مگر اس طرح بھی اُن چند مزدوروں کا حق
ادا ہو جاتا جو وہاں کام کر رہے ہیں، لیکن باقی دنیا جو اس میں انہی
کی طرح حصّہ دار تھی اپنا حق حاصل کرنے سے محروم رہ جاتی اس لئے
اسلام نے یہ حکم دے دیا کہ ہر شخص لازماً اپنے اموال کا ایک حصہ
زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے تاکہ حکومت اسے تمام بنی نوع انسان کی
ضروریات کے لیے مشترکہ طور پر خرچ کرے۔ اسی طرح رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر کان جو دریافت کی جائے اس کا
۱/۵ حصّہ حکومت کو ملے گا تاکہ اسے غرباء پر خرچ کیا جائے اس طرح

اسلام نے تمام بنی نوع انسان کا زمین میں جو حصّہ ہے اس کو محفوظ کر
دیا ہے اسی طرح ایک زمیندار جو زمین میں سے اپنی روزی پیدا کرتا ہے گو
اپنی محنت کا پھل کھاتا ہے مگر درحقیقت وہ اُس زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے
جو تمام بنی نوع انسان کے لیے مشترکہ طور پر بنائی گئی تھی۔ پس اس کی آمد
میں سے بھی ایک حصّہ لازمی طور پر حکومت کو دلوایا جاتا ہے تاکہ تمام بنی
نوع انسان کے فائدہ کے لیے اُسے خرچ کیا جائے یہی حال تجارت کا ہے
تجارت کرنے والا بظاہر اپنے مال سے تجارت کرتا ہے لیکن اسکی تجارت
امن کے بغیر کبھی نہیں چل سکتی اور امن کے قیام میں ملک کا ہر شخص حصّہ دار
ہوتا ہے پس اس کا حق دلانے کے لیے تجارتی اموال پر بھی اسلام نے زکوٰۃ
مقرر کر دی تاکہ ان اموال میں جو دوسرے لوگوں کے حق شامل ہیں وہ ادا
ہو جائیں اور حکومت ایسے تمام روپیہ کو بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والے
مشترکہ امور کی تکمیل اور ان کی سرانجام دہی کے لیے خرچ کرے۔

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصّہ اوّل صفحہ ۱۲۷-۱۲۸)

غرباء کے حالات سے آگاہ ہونے کا اسلامی طریق

وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

(سورۃ البیّنہ : آیت ٦)

"نماز باجماعت ادا کریں اور زکوٰۃ دیں"

"اس آیت میں دوسرا حکم زکوٰۃ کا دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں بھی ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے ہمیشہ اقامتِ صلوٰۃ کے بعد آتا ہے اس میں ایک نہایت ہی لطیف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ جب

تک کوئی شخص اپنی قوم کی شکستہ حالی سے واقف نہیں ہوتا اس وقت تک وہ ان کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتا۔ وہ شخص جو کسی کی کھوہ میں جا کر بیٹھ رہا ہے اور دن رات سُبحان اللہ سُبحان اللہ کرتا رہتا ہے اسے کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ لوگ بھوکے مر رہے ہیں یا غرباء پھر رہے ہیں یا مساکین پیسہ پیسہ کے لیے در بدر خاک چھان رہے ہیں علم کی کمی کی وجہ سے وہ علم سے محروم ہو رہے ہیں اُسے اِن میں سے کسی بات کا بھی علم نہیں ہو سکتا اور جب علم نہیں ہوگا تو وہ اپنی قوم کے لیے کوشش

کیا کریگا غرباء کے لیے جدوجہد یا مساکین کی ترقی کے لیے کوشش اُسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کو علم ہو کہ اُس کی قوم میں غرباء پائے جاتے ہیں اُس کی جماعت میں مساکین موجود ہیں اور اُس کا فرض ہے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلائے۔ پیاسوں کو پانی پلائے۔ ننگوں کو کپڑے دے اور بیماروں کا علاج کرے اور یہ علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو جب وہ مسجد میں آئیگا تو دیکھے گا کہ اس کے پاس ہی ایک طرف تو ایسا شخص کھڑا ہے جس نے اعلیٰ درجہ کا لباس پہنا ہوا ہے۔ قیمتی عطر لگایا ہوا ہے۔ باصحت اور تنومند ہے اور دوسری طرف ایک ایسا شخص کھڑا ہے جس کے پھٹے پرانے کپڑے ہیں اس کے لباس اور جسم کی بدبُو سے دماغ پھٹا جاتا ہے اور اس کے چہرہ پر جھُریاں پڑی ہوئی ہیں وہ یہ نظارہ دیکھے گا تو اس کا دل تڑپ اُٹھے گا اور کہے گا میرا فرض ہے کہ مَیں قوم کے غرباء کے لیے اپنا روپیہ خرچ کروں اور اُن کی تکالیف کو دور کروں یا وہ مسجد میں جائے گا تو دیکھے گا کہ وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہے بیس پچیس سال اس کی عمر ہے۔ اُٹھتی جوانی کا زمانہ ہے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ گلّے پچکے ہوئے ہیں۔ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی ہیں کپڑوں کا بُرا حال ہے اور ضعف اس کے جسم سے ظاہر ہے وہ یہ حالت دیکھ کر لازماً پوچھے گا کہ میاں! تمہارا کیا حال ہے تم اتنے خستہ حال

کیوں نظر آرہے ہو؟ اس کے جواب میں یا تو وہ کہے گا کہ میں بی
ہوں۔ علاج کے لیے میرے پاس کوئی پیسہ نہیں اور یا کہے گا کہ بیمار
نہیں مگر کھانے پینے کا میرے پاس کوئی سامان نہیں اس پر دوسرا شخص
کہہ سکتا ہے کہ تم جوان آدمی ہو کماتے کیوں نہیں؟ وہ کہے گا میں کیا
کروں۔ نجاّری کا کام مجھے آتا ہے مگر نجاّری کے آلات وغیرہ خرید
کی مجھ میں استطاعت نہیں یا معماری جانتا ہوں یا کپڑا بُننا جانتا ہوں
لوہارے کا کام جانتا ہوں مگر سامانوں سے تہیدست ہونے کی وجہ
بیٹھا ہوں اس پر اسے فکر پیدا ہوگا کہ میرا فرض ہے میں اس کی مدد
اور اسی طرح قوم کے جو دوسرے غرباء ہیں اُن کی تکالیف دور کرنے
ہوں تاکہ یہ بھی باعزت زندگی بسر کر سکیں پس حقیقت یہ ہے کہ ایتاءِ زک
کی تحریک اقامتِ صلوٰۃ سے ہی ہوتی ہے اور اسلام نے پانچ وقت
باجماعت کی ادائیگی کا حکم دیکر ایک ایسا اعلیٰ درجے کا راستہ کھول دیا
اگر اس حکم پر عمل کیا جائے تو قوم کے حالات سے نہایت آسانی سے
واقفیت ہو سکتی ہے۔ بھلا ایک انگریز لارڈ کو اپنی قوم کے حالات
واقفیت ہو سکتی ہے وہ گھر میں رہتا ہے تو وردیاں پہنے ہوئے نوکر
خدمت کے لیے موجود ہوتے ہیں جو اس کے دستر خوان سے اپنا پیٹ
ضرورت سے زیادہ بھر کر موٹے ہو رہے ہوتے ہیں کلب میں جاتا ہے تو

کی سوسائٹی کے لوگ اس کے دائیں بائیں ہوتے ہیں اسے کچھ علم نہیں ہو سکتا کہ غرباء پر کیا گزر رہی ہے، لیکن ایک مسلمان جو پانچ وقت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا ہے اور ہر روز پانچ دفعہ لوگوں کی شکلیں دیکھتا ہے اُسے بڑی آسانی سے پتہ لگتا رہتا ہے کہ اُس کی قوم کا کیا حال ہے اور اسے قومی ترقی کے لیے کن امور کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔"

فساد کی دو وجوہ

"حقیقت یہ ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے دو امور کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اقامتِ صلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ مومن اللہ تعالیٰ سے صلح رکھتے اور اس کے حقوق کو پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ایتاءِ زکوٰۃ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ مومن بنی نوع انسان سے حُسنِ سلوک کرتے۔ اُن کی خدمت میں پورے جوش سے حصہ لیتے اور ان کے حقوق کو پوری تندہی سے ادا کرتے ہیں اب فرماتا ہے ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ جو اُمت دنیا میں قائم رہنا چاہے اُسے ایسا ہی طریق اختیار کرنا چاہیئے یعنی اگر انسان اللہ تعالیٰ سے بھی صلح رکھیں تو اُن پر کبھی تباہی نہیں آسکتی۔ بگاڑ ہمیشہ اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگ یا تو خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر ناراض کر لیتے ہیں اور اس کی طرف سے عذاب اور تباہیاں آنے لگتی ہیں یا پھر بنی نوع انسان کو اپنے خلاف بھڑکا لیتے ہیں

اور اس کے نتیجہ میں بغاوت۔ ڈاکے۔ قتل اور خونریزیاں شروع ہو جاتی ہیں
دنیا میں عذاب آخر کیوں آتا ہے طاعون دنیا میں کیوں آئی زلازل کیوں
رہے ہیں اس لیے کہ لوگوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات بگاڑ لیے ا
کے مقابل میں لوگ آپس میں کیوں لڑتے ہیں۔ اسی لیے کہ کچھ لوگ دوسروں
پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں
جب یہ بات لوگوں کی قوتِ برداشت سے بڑھ جاتی ہے تو وہ لڑائی
کر دیتے ہیں یہی فساد کی دو وجوہ ہیں یا اللہ تعالیٰ سے بگاڑ یا بنی نوع انسان
سے بگاڑ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر کوئی قوم اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ
پر عمل کرے۔ خدا تعالیٰ سے بھی صلح رکھے اور اس کے بندوں سے بھی
اس پر کبھی تباہی نہیں آ سکتی۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم نصف دوم ص ۳۸۷ کالم ۲ تا ص ۳۸۹ کالم ۲)

ہر موقع پر غرباء کے حقوق کو مدّنظر رکھنے کی تعلیم

ان کے حقوق تسلیم کرانے سے متعلق تیرہ بنیادی اُصول

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝

(سورۃ الکوثر: آیت ۲)

ترجمہ: (اے نبی!) یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے۔

"زکوٰۃ کے مسئلہ کو بھی قرآن کریم نے جس تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی مثال کسی اور کتاب میں نہیں ملتی یوں تو بائبل میں بھی لکھا ہے کہ دسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے اور ہندوؤں میں بھی صدقہ و خیرات کی تعلیم ہے لیکن ان میں وہ تفصیلات بیان نہیں کی گئیں جو اسلام نے پیش کی ہیں۔

۱۔ اسلام سب سے پہلے یہ اصل بیان فرماتا ہے کہ تمام ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ یہ تعلیم پیش کرتا ہے کہ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مائدہ ع ۱۶ و عمران ع ۹) آسمانوں اور زمین کی حقیقی مالکیت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے کسی انسان کو حاصل نہیں۔

۲۔ دوسرا اصل اسلام یہ پیش کرتا ہے کہ تمام ملکیت اللہ تعالیٰ نے اپ
تمام بندوں کے لیے پیدا کی ہے۔

۳۔ تیسرا اصل وہ یہ پیش کرتا ہے کہ اس کے سب بندوں کا حق سب
ملکیت میں شامل ہے جیسے شاملات دیہہ ہوتی ہے اور اس میں ہر ایک
کا حصہ ہوتا ہے اسی طرح اس ملکیت میں سب لوگ حصہ دار ہیں مگر
شاملات دیہہ میں تو بعض کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور بعض کا کم خدا تعال
نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے سب کا حق سب ملکیت میں مساوی قرار

ان تین اصول کے نتیجہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام
انسان کا تمام ملکیت میں حق ہے تو وہ اپنے حقوق کو کس طرح حاصل کر
ہیں مثلاً امریکہ میں ایک پہاڑی ہے جس میں ہمارا حصہ ہے۔ لیکن
ہندوستان میں رہتے ہیں ہم اپنا حصہ نہیں لے سکتے۔ امریکہ والوں
اس پر قبضہ کیا ہوا ہے اس صورت میں ہم کیا کریں۔

۴۔ چوتھا اصل یہ پیش کرتا ہے کہ چونکہ قبضہ اور عمل بھی ایک حق رکھ
اس لیے قابض اور عامل کو کچھ زائد حق ملے گا مثلاً امریکہ والوں نے
اس پہاڑی پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ کچھ شرائط کیساتھ اس پر قبضہ کو قائم
سکتے ہیں اور وہ شرائط یہ ہیں۔

اوّل۔ جو قبضہ کرنے والے ہیں وہ تسلیم کریں کہ اس میں دوسروں کا

حق ہے۔

دوم۔ جب ان کے پاس اپنے اقلّ حق سے زیادہ ہو تو وہ باقی حقداروں
کے لیے ایک کیپٹیل لیوی ادا کریں جس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی آمد میں
سے ۲½ فی صدی حصہ دوسروں کے لیے نکال دیا کریں اور یہ بھی ایک
دفعہ نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے یہ حکم ہے اور ظاہر ہے کہ ہمیشہ دینے کا تو
سوال نہیں صرف چالیس سال کے قبضہ میں ہر سال چالیسواں حصہ
دیکر وہ چیز اصل حقداروں کی طرف لوٹ آئے گی اور بعد کی آمد زائد آمد
ہوگی یہی وہ چیز ہے جسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

۵۔ پانچواں اصل اسلام نے یہ مقرر کیا ہے کہ کوئی شخص مال کو روپیہ
کی صورت میں جمع نہ کرے بلکہ اسے چکر میں رکھے تاکہ دوسرے لوگ اس
سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

۶۔ چھٹا اصل اسلام نے یہ مقرر کیا کہ باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی کے امراء
غرباء کی خبر گیری کے ذمہ وار ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر کوئی غریب باقی
رہ جائے گا تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی اور اس کے متعلق خدا تعالیٰ تم
سے قیامت کے دن سوال کرے گا۔

۷۔ پھر اسلام نے مختلف غلطیوں کا کفارہ غرباء کی مدد کی صورت
میں مقرر کیا ہے بعض مقامات پر غلاموں کی آزادی ضروری قرار دی

ہے اور بعض جگہ انہیں کھانا اور لباس وغیرہ دینا کفّارۂ گناہ کے طور پر لازمی قرار دیا ہے۔

۸۔ اس کے علاوہ اسلام نے ہر عبادتِ نو پر غرباء کا حق مقرر کیا ہے مثلاً فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو غریبوں کو کھانا بھی کھلاؤ۔ عید آرہی ہے تو غرباء کے لیے بھی صدقہ دو۔ حج کے لیے چلے ہو تو غرباء کا بھی خیال رکھو۔

۹۔ فتوحات حاصل ہوں تو اس وقت بھی اسلام نے غرباء کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اموال میں اُن کو بھی حصّہ دار قرار دیا ہے۔

۱۰۔ پھر بچہ کی پیدائش ہو تو حکم دیا کہ عقیقہ کرو اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ۔

۱۱۔ شادی پر حکم دیتا ہے کہ ولیمہ کرو اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ۔

۱۲۔ کسی کی وفات ہو جائے تو حکم دیا کہ تقسیم ورثہ کے علاوہ میّت کے مال میں سے کچھ یتیموں کو بھی دو۔

۱۳۔ ہر نئی فصل یا نئے پھل کے پیدا ہونے پر غرباء کا حق مقرر کیا اور حکم دیا کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام ع ۱۷) آم۔ انگور۔ گیہوں۔ ماش اور کپاس غرض جو بھی چیز اپنے گھر لاؤ۔ اس میں سے پہلے غرباء کا حق نکالو اور پھر اپنے استعمال میں لاؤ۔

غرض ہر اہم موقعہ پر اسلام نے غرباء کے حقوق کو مدنظر رکھا ہے

اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی مثال اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی مذہب نہیں جس نے اس عبادت کو اس طرح پیش کیا ہو۔ بلکہ ان کی تعلیموں میں اسلام کی تعلیم کا سواں حصّہ بھی موجود نہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم حصّہ سوم ص ۴۱۶ کالم ۲ تا ص ۴۱۸ کالم ۲)

قانون کا اطلاق امیر وغریب پر یکساں ہونا چاہیئے

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ

(سورۃ القصص: ۵)

"فرعون نے (اپنے) ملک میں بڑی تعلّی سے کام لیا تھا اور اس کے رہنے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا وہ اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔"

"فرماتا ہے۔ موسٰیؑ کا واقعہ یوں ہوا کہ فرعون نے اپنی حکومت کے گھمنڈ میں تکبّر شروع کر دیا اور لوگوں پر تعدّی کرنی شروع کر دی وہ تمام رعایا کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں کرتا تھا۔ نہ اُن کی ترقی کی طرف توجہ کرتا تھا بلکہ مختلف نسلوں اور مختلف مذہبوں سے تعلق رکھنے والوں کو آپس میں لڑواتا تھا اور بعض لوگوں کو پسندیدہ اور منتخب جماعت قرار دیتا تھا اور بعض کو حقیر اور حکومت کی حفاظت سے خارج قرار دیتا تھا اور رعایا کے ایک طبقہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا تھا اور ان کی نرینہ اولادوں کو ہلاک کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا وہ

یقیناً زمین میں فساد کر رہا تھا، لیکن ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا (اور اس زمانہ میں بھی فیصلہ کیا ہے) کہ جن کو کمزور کیا جا رہا ہے ہم اُن پر احسان کریں۔ اور ہم اُن کو دنیا کا سردار بنا دیں اور ہم اُن کو اُن انعامات کا وارث کر دیں جو فرعون اور اس کے قریبیوں کو حاصل تھے اور ہم ان کو ملک میں طاقت بخشیں اور ہم نے یہ بھی فیصلہ کر دیا تھا کہ فرعون اور اس کے ساتھی ہامان کو اور ان دونوں کے لشکروں کو وہ انجام دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے یعنی یہ خوف کہ ملک کی بعض قومیں طاقتور ہو کر ان کو نقصان نہ پہنچا دیں۔

وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا سے ظاہر ہے کہ فرعون نے "ڈیوائیڈ اینڈ رول" کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی اور وہ جابر بادشاہوں کی طرح لوگوں کو ہمیشہ آپس میں لڑواتا رہتا تھا تاکہ اُن میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہ ہو اور اس کے مظالم کی طرف لوگوں کی توجہ نہ پھرے جس طرح جابر بادشاہ بعض قوموں کی حمایت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اس طرح مستقل طور پر ایک دوسرے کے خلاف تنافر اور بغض اور حسد کے جذبات بھڑکاتے ہیں اسی طرح فرعون کی بھی یہی کوشش رہتی تھی کہ اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کا جھگڑا قائم رہے اور اس کی حکومت کے ظالمانہ افعال کی طرف ان کی توجہ نہ پھرے بہرحال قرآن مجید اِس

پالیسی کی شدید مذمت کرتا ہے اور اسے فساد فی الارض کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک قانون کا اطلاق غریب اور امیر اور عالم اور جاہل پر یکساں ہونا چاہیئے اور اس بارہ میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھنا چاہیئے ۔ اور درحقیقت دنیا میں وہی حکومت پائیدار امن قائم کرنے کا موجب ہو سکتی ہے جو اس امتیاز کو کلیتہً دور کر دے اور قومی ملکی نسلی یا مذہبی اختلاف کی بناء پر عدل و انصاف کے تقاضوں کو نہ کچلے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوئم صفحہ ۱۵۹ کالم ۱ تا صفحہ ۱۶ کالم ۱)

ہر قسم کی نعمت دوسروں کے لیے خرچ کرنے کی تاکید

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

(القصص: ۵۵)

"اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس کو خرچ کرتے ہیں۔"

"مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فرما کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو جو کچھ بھی دے۔ اُسے لوگوں کے فائدہ کیلئے خرچ کرنا چاہیئے۔ اسی کے مطابق ایک لطیفہ حضرت خلیفۃ اوّل رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ قرآن کریم پڑھتا جارہا تھا وہ منہ سے بھی پڑھتا تھا۔ آنکھوں سے بھی الفاظ کو دیکھتا تھا اور انگلی بھی الفاظ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پر پھیرتا جاتا تھا کسی نے اسے کہا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہ تینوں چیزیں مجھے خدا تعالیٰ نے دی ہوئی ہیں اگر مَیں صرف زبان سے قرآن کریم پڑھوں گا تو خدا تعالیٰ کہے گا ہاتھوں اور آنکھوں سے کیوں کام نہ لیا اگر مَیں زبان اور ہاتھوں کو استعمال کروں گا تو اللہ تعالیٰ کہے گا آنکھوں کو کیوں نہ استعمال کیا اور اگر صرف آنکھوں سے

قرآن کریم پڑھوں گا اور زبان اور ہاتھ نہ ہلاؤں گا تو خدا تعالیٰ کہے گا ان سے کیوں نہ کام لیا اس لیے میں ان تینوں اعضاء کو ایک ہی وقت میں استعمال کر لیتا ہوں۔

غرض اللہ تعالیٰ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی یہ خوبی بیان فرماتا ہے کہ اُن کے دلوں میں بنی نوع انسان کی اتنی گہری محبت ہے کہ انہیں جو کچھ بھی ملے اس کا ایک حصہ وہ دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور صرف کرتے ہیں وہ صرف روپیہ دیکر یہ نہیں سمجھ لیتے کہ انہوں نے خدمت کا حق ادا کر تا ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور اس طرح اُن کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس حکم میں خدمتِ خلق سے تعلق رکھنے والے مختلف قسم کے کام بھی شامل ہیں جنکی طرف ہماری جماعت کے نوجوانوں کو خصوصیت سے توجہ کرنی چاہیئے اور مذہب و ملت کے امتیاز کے بغیر تمام بنی نوع انسان کی احمدی معیار کے مطابق خدمت کرنی چاہیئے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوئم صہ ۲۱۳ کالم ع۲ و صہ ۲۱۴ کالم ع۲)

ہر شخص کے مال میں مساکین و غربا کا حق ہے

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل : ۲۸)

"اور قرابت والے کو اور مسکین کو اور (مسافر) راہرو کو اس کا حق دے اور اسراف کسی رنگ میں (بھی) نہ کر۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ ہر شخص کے مال میں رشتہ داروں مساکین اور مسافروں کا حق ہے۔ رشتے دار انسان کی کمائی میں کئی طرح مدد کا موجب ہوتے ہیں اس لیے اس کے مال میں ان سب کا حق ہوتا ہے مثلاً والدین نے ایک بیٹے کو پڑھا دیا اور وہ کسی اعلیٰ عہدہ پر پہنچ گیا اور باقی بھائی علم سے محروم رہے تو اس عہدہ دار کے مال میں باقی بھائیوں کا بھی حق ہے کیونکہ جس روپے سے اس کو تعلیم دلائی گئی تھی اس میں ان سب کا حق تھا۔

مساکین اور ابن السبیل کا بھی اللہ تعالیٰ نے حق قرار دیا ہے اور دوسری جگہ کھول کر بھی بتایا ہے (وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

(ذاریات ع۱)

کہ انسان کے اموال میں سائل وغیرہ کا بھی حق ہوتا ہے۔ مساکین کا حق قرار دینے کی ایک تو یہ وجہ ہے کہ دنیا میں امیر غریب بدلتے رہتے ہیں جو آج غریب ہیں کبھی امیر تھے اور جو آج امیر ہیں کبھی غریب تھے اور اس وقت کے امیروں نے ان سے حُسنِ سلوک کیا تھا پس ساری دنیا کو اگر مجموعی نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی کا مال اس کا خالص مال نہیں بلکہ اس میں دوسروں کے حقوق شامل ہیں دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کی سب اشیاء اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے بحیثیت جماعت پیدا کی ہیں نہ کہ زید یا بکر کے لیے۔ پس اگر زید اور بکر کسی وجہ سے زیادہ مالدار ہو گئے ہوں تو اُس سے ان باقی لوگوں کا حق باطل نہیں ہو جاتا جو دنیا کی چیزوں کی ملکیّت میں زید اور بکر کے ساتھ برابر کے شریک ہیں بے شک بوجہ خاص محنت کے زید یا بکر کا زائد حق اسلام تسلیم کرتا ہے لیکن ان کو مالک بلا شرکت غیر نہیں تسلیم کرتا۔

مسافروں کا حق اس طرح کہ جب یہ دوسری جگہ کی طرف جاتا ہے تو وہ اس سے حسنِ سلوک کرتے ہیں پس دوسرے مقام کے مسافر کی خدمت کرنا اس کا فرض ہے تا حق ضیافت ادا ہوتا رہے ابن السبیل کے حق کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بستی میں جاؤ

تو تین دن تک کی ضیافت کا تم کو حق ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بستی والے نہ دیں فرمایا چھین کر بھی لے سکتے ہو۔ (ابو داؤد جلد ثالث کتاب الاطعمة باب ماجاء فی الضیافة) یہ حکم اس وقت کے لیے ہے جب اسلامی تمدن جاری ہو کیونکہ ان ایام میں دوسرے لوگ اس سے ضیافت کا حق لے سکیں گے اس حکم کو اگر دنیا میں جاری کیا جائے تو بہت سی خرابیاں جو ہوٹلوں اور سراؤں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں دنیا سے دور ہو جائیں اور غرباء کے لیے بھی دنیا کا سفر جو اعلیٰ تربیت کا ایک ذریعہ ہے آسان ہو جائے مگر افسوس کہ خود مسلمانوں نے بھی اس حکم کو بُھلا رکھا ہے۔

مسلمانوں سے حسنِ سلوک کا یہ عام حکم دنیا سے بہت سے فتنے مٹانے کا موجب ہے کیونکہ لڑائی جھگڑا منافرت سے پیدا ہوتا ہے اگر اس طرح مہمان نوازی کا رواج ہو تو منافرت دور ہو جائے اور گاؤں اور ملکوں کے جھگڑے مٹ جائیں وہ لوگ جو کسی دوسرے ملک کی مہمان نوازی سے فائدہ اٹھا چکے ہوں کبھی بھی جلدی سے ان کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہ ہوں گے سوائے خبیث ارواح کے جو نسبتاً تھوڑی ہوتی ہیں

نیز اس حکم سے گاؤں اور قصبوں کے نظام کی بنیاد بھی پڑتی ہے کیونکہ مہمان نوازی سارے گاؤں پر واجب کی گئی ہے پس اس حکم کے پورا کرنے کے لیے ہر گاؤں والے ایک ایسے نظام کی پابندی پر مجبور ہونگے جس کے ماتحت سارا گاؤں مہمانوں کی خدمت کر سکے اور یہ نظام ان کے دوسرے کاموں میں بھی مفید ثابت ہوگا۔

لَا تُبَذِّرْ پھر فرمایا کہ اوپر کے احکام میں مال کو خرچ کرنے کی جو نصیحت کی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ مال کو لُٹا دینا چاہیئے ہم نے انہی اخراجات کا حکم دیا ہے جو ضروری ہیں بے فائدہ مال لٹانے کا حکم نہیں دیا۔"

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۸۱۹ کالم ۱ و ۲)

فرض اور نفلی صدقات کی لطیف حکمت

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
(البقرۃ : ۲۷۵)

"جو لوگ اپنے مال رات اور دن پوشیدہ (بھی) اور ظاہر (بھی) (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس اُن کا اجر (محفوظ) ہے اور نہ (تو) انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔"

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے متعلق بعض اور امور بیان کئے ہیں فرماتا ہے ہمارے مومن بندے صدقہ کے لیے کسی خاص وقت یا خاص دن کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ وہ رات کے وقت بھی صدقہ کرتے ہیں اور دن کے وقت بھی صدقہ کرتے ہیں اور مخفی طور پر بھی صدقہ کرتے ہیں اور ظاہر طور پر بھی صدقہ کرتے ہیں۔ یہ لیل اور نہار اور سِرًّا وَّعَلَانِيَةً کا ذکر اس لیے فرمایا کہ شریعتِ اسلامی کے نزدیک

مومن پر کوئی وقت ایسا نہیں آنا چاہیئے جبکہ وہ نیکیوں میں حصّہ نہ لے رہا ہو چنانچہ نمازوں کی دن اور رات میں تقسیم اور روزوں اور حج کا قمری مہینہ میں رکھنا یہ سب اسی غرض کے لیے ہے پس دن اور رات میں سِرًّا اور علانیۃً صدقہ دینے کا ذکر کر کے بتایا کہ ہمارے مومن بندے صدقہ بھی مختلف اوقات میں دیتے ہیں تا کہ کوئی وقت صدقہ سے خالی نہ رہے اور قمری مہینوں کے لحاظ سے اُن کی یہ نیکی سارے سال میں چکر کھاتی رہے اور اس کا کوئی حصّہ بھی اس سے خالی نہ رہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے لیل کا ذکر پہلے کیا ہے اور نہار کا بعد میں اور اسی ترتیب سے سِرًّا کو پہلے رکھا ہے اور علانیۃً کو پیچھے یا یوں کہنا چاہیئے کہ لیل کے مقابل میں سِرًّا رکھا ہے اور نہار کے مقابلہ میں علانیۃً۔ اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مومنوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ بعض دفعہ رات کو پوشیدہ طور پر صدقہ دیتے ہیں اور اس طرح دیتے ہیں کہ لینے والے کو بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس نے دیا ہے تا کہ لینے والے کو شرمندگی محسوس نہ ہو اور ان کے اپنے قلب میں بھی تکبّر اور ریاء کا جذبہ پیدا نہ ہو پھر وہ دن کو بھی صدقہ دیتے ہیں اور ظاہر طور پر دیتے ہیں تا کہ اسے دیکھکر دوسروں کو بھی غرباء کی امداد کی تحریک ہو اور قوم ترقی کرے ورنہ اپنی ذات کے لیے انہیں کسی شہرت کی

تمنّا نہیں ہوتی غرض لیل کی سِرًّا میں تفسیر کی گئی ہے اور نہار کی علانیۃً میں اور بتایا گیا ہے کہ ہمارے مومن بندے وقتوں کا بھی لحاظ اور حالتوں کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح لیل و نہار سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ دُکھ اور سُکھ دونوں حالتوں میں وہ صدقہ دیتے ہیں۔ در حقیقت اگر غور سے کام لیا جائے تو اسلامی شریعت میں خدا تعالیٰ نے دو قسم کے صدقات رکھے ہیں اوّل زکوٰۃ جو حکومت وصول کرتی ہے یہ نظام اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ غرباء کے لیے امداد کی ایک یقینی صورت پیدا ہو جائے۔ دوم صدقہ تا کہ اس کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص کا پتہ چلتا رہے جو شخص مخلص ہو گا وہ تو اپنے طور پر بھی صدقہ دیگا، لیکن زکوٰۃ چونکہ گورنمنٹ کی معرفت وصول کی جاتی ہے اس لیے وہ لوگوں کو ٹیکس کی طرح لازماً ادا کرنی پڑتی ہے اور اس میں مخلص اور غیر مخلص سب کو شامل ہونا پڑتا ہے پس اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ بھی رکھ دیا تا کہ لوگوں کو خود بھی اس کا احساس رہے اور ان میں غرباء پروری کا جذبہ ترقی کرے۔

پھر زکوٰۃ کے قیام کی ایک غرض دوسروں کے جذبات کا احترام بھی ہے کیونکہ زکوٰۃ کا روپیہ حکومت دیتی ہے اس لیے لینے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُسے کس نے دیا ہے لیکن دوسری طرف صدقہ آپس کے تعلقات کو بھی خوشگوار بنانے کے لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے محبّت بڑھتی ہے

غرض کچھ صدقہ غرباء اور فقراء کے لیے حتمی اور قطعی طور پر مقرر کر دیا اور باقی صدقات مخلصین کے امتیاز اور ان کے مدارج میں ترقی کے لیے رکھ دیئے۔

دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جب تک کھیت میں بیج نہ بویا جائے اس وقت تک فصل نہیں ہوتی اسی اصول پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے تم اپنے پاس سے کچھ خرچ کرو پھر میں تمہیں دونگا بے شک خدا تعالیٰ بغیر بیج کے بھی پیدا کر سکتا ہے، لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے ہی یہ قانون بنا دیا ہے کہ بغیر بیج کے ہم کچھ پیدا نہیں کریں گے اس لیے فرمایا کہ پہلے تم بیج ڈالو پھر دیکھو گے کہ ہم اس بیج کو کس طرح بڑھاتے ہیں۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ دنیا میں بیج بونے والا کبھی ثمرات سے محروم بھی رہتا ہے مثلاً فصل کو آگ لگ جاتی ہے یا چوری ہو جاتی ہے اور اس طرح اس پر خوف و حزن طاری ہو جاتا ہے مگر فرمایا ہمارے ہاں ایسا نہ ہوگا پھر دنیا میں ایک دانہ کے عوض سات سو دانے ملتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اجر دیتا ہے اور وہ غیر مقطوع انعامات سے اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۶۲۹ کالم ۲ تا صفحہ ۶۳۱ کالم ۱)

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف اور اُن کی تفصیل

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○

(طٰہٰ : آیت ۱۳۳)

ترجمہ: "اور تو اپنے اہل کو نماز کی تاکید کرتا رہ اور تو خود بھی اس حکم (یعنی نماز) پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم تجھے رزق دے رہے ہیں اور انجام تقویٰ ہی کا بہتر ہوتا ہے۔"

"قرآن کریم نے زکوٰۃ کے مصارف بھی خود بیان کر دیئے تاکہ یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے کہ کس طرح زکوٰۃ کے اموال کے ذریعہ اہم قومی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے اگر یہ اموال ان ضروریات کے لیے خرچ نہ کئے جاتے تو قوم بے دست و پا ہو کر رہ جاتی۔

فرمایا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۤءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ع) یعنی زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی مندرجہ ذیل آٹھ مدات ہیں۔

۱- فقراء

۲- مساکین

۳- زکوٰۃ کے کام پر مامور عملہ

۴- مؤلفۃ القلوب- یعنی جن لوگوں کی تالیف قلب مدنظر ہو۔

۵- فی الرقاب- یعنی جو غلام ہوں یا مصائب میں پھنسے ہوئے ہوں ان کی گلوخلاصی کرانے میں۔

۶- غارمین- یعنی وہ لوگ جو اپنے کسی قصور کے بغیر مالی ابتلاء میں پھنس گئے ہوں۔

۷- فی سبیل اللہ- یعنی اللہ تعالیٰ کے بتاتے ہوئے یا اس کی رضاء کے کاموں میں۔

۸- ابن السبیل- یعنی مسافر۔

زکوٰۃ کا پہلا مصرف فقراء ہیں یعنی وہ لوگ جو کلی طور پر یا جزوی طور پر اپنا گذارہ چلانے کے لیے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں مثلاً اپاہج

ہیں- معذور ہیں- یتامیٰ و بیوگان ہیں- ایسے تمام لوگوں کی ذمہ داری قوم پر ہوتی ہے اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے تو قوم ذلیل ہو جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دے دیا جس سے دائمی طور پر قابلِ امداد لوگوں کی امداد ہوتی رہے اور قوم اور ملک میں ضعف پیدا نہ ہو۔

قرآنی آیت میں فقراء کا لفظ اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر حالت میں اس کو تمام دوسرے اخراجات پر ترجیح دی جائے گی بلکہ اس کے صرف یہ معنے ہیں کہ عام حالات میں اس کو ترجیح دی جائے گی ورنہ ایسے حالات بھی آ سکتے ہیں جبکہ حکومت کو خود اپنی ذات میں خطرہ ہو- ایسے وقت میں افراد خواہ کتنے ہی غریب ہوں- انہیں ملّت کے لیے قربانی کی دعوت دی جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے غریبوں اور امیروں سب کو بلاتے تھے اور انہیں دیا کچھ نہیں جاتا تھا پس معلوم ہوا کہ اگر قوم و ملک کی آزادی خطرے میں ہو تو اس وقت غرباء کو بھی قربانی کے لیے بلایا جا سکتا ہے پس یہ ترتیب جو قرآنی آیت میں فقراء کو نمبر اوّل پر رکھ کر قائم کی گئی ہے فرض نہیں- مرجّح ہے۔

آیت میں فقراء کے بعد مساکین کا لفظ ہے- لُغت میں مسکین کے معنے بھی درحقیقت فقیر ہی کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مسکین ساکن فقیر

کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساکن فقیر کے یہ معنے کئے ہیں کہ وہ جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور سوال کے ذریعہ کسی کو اپنی غربت کا پتہ نہ لگنے دے یعنی صرف اس کے حالات سے علم ہو کہ وہ قابلِ امداد ہے باوجود اس کے کہ فقیر اور مسکین کے الفاظ ایک ہی قسم کی غربت پر دلالت کرتے ہیں انہیں الگ الگ بیان کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ صرف نادار لوگوں کا ہی فکر نہ کرے بلکہ ایسے لوگوں کی بھی جستجو کرے جو نادار ہیں، لیکن اپنی ناداری لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے اور تلاش کر کے ان کی مدد کرے۔

تیسری مد خرچ کی وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے یعنی جو لوگ زکوٰۃ کا انتظام کرنے پر مقرر ہوں ان کی تنخواہیں وغیرہ بھی اس سے ادا کی جائیں۔

درحقیقت وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کے الفاظ میں وسعت ہے۔ ملکی فوج بھی عاملین کی ذیل میں آجاتی ہے کیونکہ اگر فوج نہ ہو گی تو ملک کا امن برقرار نہ رہ سکے گا نہ تجارت ہو سکے گی نہ زمینداری اور اگر تجارت و زمینداری نہ ہو گی تو زکوٰۃ کہاں سے آئے گی پس زکوٰۃ کے جمع ہونے میں فوج کا بھی بڑا دخل ہے بہر حال زکوٰۃ کے نظم و نسق کے کارکن اول درجہ پر عاملین کی ذیل میں آتے ہیں۔

چوتھی مد مؤلفۃ القلوب کی بیان کی گئی ہے یعنی وہ لوگ جن کے دل ملے ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ ملے ہوئے دلوں کا ذکر کرنے کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ ان کا ظاہر ملا ہوا نہ ہو پس مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل اسلام یا اسلامی حکومت کی طرف مائل ہو چکے ہوں، لیکن کفار کے ملک میں ہونے کی وجہ سے اپنے اسلام یا اپنی ہمدردی کو پوری طرح ظاہر نہ کر سکتے ہوں۔ ان کو اسلامی ملک میں لانے یا ان کی دلی حالت کو قائم رکھنے میں مدد دینے کے لیے بھی زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کیا جا سکتا ہے یا ایسے لوگ جن کے دل اسلام کی صداقت کے قائل ہو چکے ہیں، لیکن اگر وہ اسلام کو ظاہر کر دیں تو غیر ممالک میں ان کی ملازمتیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں اور گذارے کی صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کی بھی مدد کی جا سکتی ہے۔ مؤلفۃ القلوب سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کسی کو روپیہ دے کر اسلام کی طرف مائل کیا جائے کیونکہ اسلام روپیہ دیکر لوگوں کو مسلمان بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اس کی ذاتی خوبیاں ہی اس کے پھیلانے کے لیے کافی ہیں۔

پانچویں مد فی الرقاب بیان کی گئی ہے یعنی غلاموں کے آزاد کرانے میں بھی زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں عرب میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لیے ان کے آزاد کروانے کا حکم تھا کیونکہ اسلام بیع و شراء والی غلامی کو مطلقاً حرام کرتا ہے لیکن اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ اگر کوئی

جابر قوم ظالمانہ طور پر کسی کمزور قوم کو روند ڈالے اور ان کے ملک پر قبضہ کرے اور ان کو غلام بنائے تو کمزور قوم کی مدد کی جائے اور ان کو ظالموں کے ہاتھوں سے آزاد کرایا جائے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کا قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کی زکوٰۃ کے مال سے گلو خلاصی کرائی جائے۔

چھٹی مد غارمین کی بیان کی گئی ہے اس کی ذیل میں وہ لوگ آجاتے ہیں جن کو بعض اوقات ایسی رقوم ادا کرنی پڑ جاتی ہیں جن کے براہ راست وہ ذمہ وار نہیں ہوتے مثلاً کسی کی ضمانت دی اور جس کی ضمانت دی تھی وہ فوت ہو گیا یا کسی اور طرح سے غائب ہو گیا تو ضامن کے پاس مال نہ ہو سکنے کی صورت میں اس کی امداد کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح اس کی ذیل میں وہ تاجر بھی آسکتے ہیں جن کی تجارت ملک کے لیے مفید ہو مگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے ان کا نقصان ہو جائے اور تجارت بند ہو جانے کا خطرہ ہو۔ ایسی صورت میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو روپیہ دے تاکہ وہ اپنی تجارت کو بحال کر کے ملک کو فائدہ پہنچا سکیں۔

ساتویں مد فی سبیل اللہ کی ہے اس مد میں وہ تمام کام شامل ہیں جو قومی یا ملکی تنظیم۔ استحکام۔ حفاظت یا ان کی ترقی کے لیے کئے جائیں اس

میں فوجیں بھی شامل ہیں اور تعلیم بھی شامل ہے۔ سڑکیں۔ ہسپتال۔ اسی قسم کے وہ تمام کام جو صرف کسی فرد کے فائدہ کے لیے نہیں بلکہ تمام قوم کے فائدہ کے لیے ہوتے ہیں شامل ہیں۔ فقراء۔ مساکین۔ عاملین علیہا مؤلفۃ القلوب اور غارمین کے ذکر میں در حقیقت فردی امداد کا ذکر ہے اور اس کے بعد فی سبیل اللہ کا لفظ رکھ کر یہ بتایا گیا ہے کہ بعض اوقات ایسے کام پیش آجاتے ہیں جو کسی فرد کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے بلکہ قوم کی طرف یا ملک کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اس قسم کے کاموں میں اجتماعی خرچ ہوتا ہے جو ملک اور ملت کے استحکام اور ترقی کے لیے کیا جانا ضروری ہوتا ہے چونکہ ایسے خرچ کئی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس کی تفصیل بیان نہیں کی بلکہ ایک مجمل اور جامع لفظ رکھ دیا تاکہ ضرورت پیش آنے پر ذمہ دار لوگ اس کو خرچ کر سکیں۔

آٹھویں مد ابن السبیل کی ہے۔ ابن السبیل کے معنے مسافر کے ہیں یعنی مسافروں کی امداد کرنا حکومت کا فرض ہے یعنی سڑکوں کا بنانا اور ان کی مرمت وغیرہ کا خیال رکھنا۔ مسافر خانے اور ڈاک بنگلے بنانا۔ اپنے ملک میں سفر کرنے کے لیے معلومات اور سہولتیں بہم پہنچانا۔ اس کے متعلق لٹریچر شائع کرنا۔ تاکہ غیر ملکوں کے لوگ آئیں اور اسلامی حکومت کو دیکھیں اور مسلمان غیر مسلمانوں سے واقف ہوں اور سیاحوں کے آنے

کی وجہ سے ملک کی دولت بڑھے اور غیر ملکوں کے ساتھ تعلقات قائم ہونے کی وجہ سے اسلامی ملک کی ساکھ دوسرے ممالک میں قائم ہو اور بین الاقوامی تعلقات بہتر ہوں گویا یہ سب اغراض ابن السبیل کی مد میں آجاتی ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کو پیشِ نظر رکھکر دیکھیں کہ اسلام نے صرف زکوٰۃ کا حکم نہیں دیا بلکہ بتایا کہ یہ حکم اپنے اندر گہرا فلسفہ رکھتا ہے اور یہ کہ اگر قوم صحیح طور پر اس حکم پر عمل پیرا رہے گی تو اس کے لیے بے شمار ترقی کے ذرائع کھلتے چلے جائیں گے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزء آخر ص ۴۱ کالم ۲ تا ص ۴۵ کالم ۱)

چوتھا باب

یُقْرِضُ اللّٰہَ کے معنے، غریبوں کی مدد کرو

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

(البقرہ: ۲۴۶)

ترجمہ: "کیا کوئی ہے جو اللہ کو (اپنے مال کا) ایک اچھا ٹکڑا کاٹ کر دے تاکہ وہ اسے اس کے لیے بہت بہت بڑھائے"

"اس آیت کے ایک یہ معنے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو قرض حسنہ دے دیا کرو یعنی اس کے بندوں سے حسن سلوک کرو اور جو غریب ہیں ان کی مدد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی نے نہیں دینا بندوں ہی کو دینا ہوتا ہے بعض دفعہ بندوں کو دینے کا نام بھی خدا تعالیٰ کو دینا رکھا جاتا ہے جیسے حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ بعض لوگوں سے کہے گا کہ اے ابن آدم مَیں بیمار ہوا لیکن تُو نے میری عیادت نہ کی مَیں بھوکا رہا اور مَیں نے کھانا بھی مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہ

کھلایا میں پیاسا رہا اور تجھ سے پانی بھی مانگا مگر تُو نے مجھے پانی نہ پلایا اس کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ سے پوچھے گا کہ اے اللہ! تُو کب بیمار ہوا کہ میں نے تیری عیادت نہ کی تُو نے کب مجھ سے پانی مانگا کہ میں نے تجھے پانی نہ پلایا تُو نے کب مجھ سے کھانا مانگا کہ میں نے تجھے نہ کھلایا اس پر خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا مگر تُو نے اس کی بیمار پُرسی نہ کی۔ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تُو نے اُسے کھانا نہ کھلایا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے اُسے پانی نہ پلایا۔

(مسلم جلد ۲ کتاب البرّ و الصلۃ والآداب باب فی فضل عیادۃ المریض)

پس خدا تعالیٰ کو قرض دینے کا ایک یہ بھی مفہوم ہے کہ اُس کے بندوں سے نیک سلوک کیا جائے اور اُن کی مالی پریشانیوں کو دُور کرنے میں حصہ لیا جائے۔"

(تفسیر سورۃ البقرۃ ص۵۵۱ ص۵۵۲)

امدادِ غرباء کی زبردست تاکید

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ

(البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمہ: "اے ایمان دارو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے خرچ کرو۔"

"اس آیت سے ظاہر ہے کہ اسلام نے صرف زکوٰۃ اور مال غنیمت کے اموال سے ہی غرباء اور مساکین کی امداد کے لیے ایک فنڈ مقرر کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو عام طور پر بھی غریبوں اور ناداروں کے لیے صدقہ و خیرات کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ تمہارے ساتھ ترقیات کے جو وعدے کئے گئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمیں اب مزید قربانیوں کی ضرورت نہیں۔ قربانیاں تمہیں قدم قدم پر کرنی پڑیں گی اور قدم قدم پر تمہیں اپنے اموال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پڑیں گے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ ص۵۷۵ کالم ۲)

غرباء کی ہر رنگ میں امداد ضروری ہے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

(البقرۃ: آیت ۴)

ترجمہ: "اور جو (کچھ) ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ اس آیت میں صرف اس قدر فرماتا ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہاری ضرورتوں کے مطابق دیا ہے اسے خرچ کرو۔ یہ ضرورت کے مطابق ملنے والی چیز علم بھی ہو سکتا ہے، عقل بھی، جرأت بھی، غیرت بھی، وفا بھی، ہاتھ پاؤں کی خدمت بھی، آنکھ ناک کی خدمت بھی، روپیہ پیسہ کی خدمت بھی۔ غرض کوئی چیز جس کی نسبت کہا جا سکے کہ خدا تعالیٰ نے دی ہے اور کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے دی ہے اس کے خرچ کرنے کا حکم ہے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہی اس آیت پر عامل نہیں جو غریبوں کو روپیہ دیتا ہے بلکہ وہ بھی عامل ہے جو لوگوں کو علم پڑھاتا ہے اور وہ بھی عامل ہے جو مثلاً بیواؤں یتیموں کے کام کر دیتا ہے اور وہ سپاہی بھی عامل ہے جو میدانِ جنگ میں ملک کی خاطر جان دینے کی نیت سے جاتا

ہے اور وہ موجد بھی عامل ہے جو رات دن کی محنت سے دنیا کے فائدہ کے لیے کوئی ایجاد کرتا ہے۔

اس آیت پر غور کرنے والے لوگ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ہر طاقت اور ان کے قبضہ کا ہر سامان ایک حد تک دوسروں کے کام آئے ان فقہاء نے اسلام کی ایک بڑی صداقت کو پا لیا جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کا وہ زیور جو پہنا جائے اور کبھی کبھی دوسری غریب عورتوں کو پہننے کے لیے دیدیا جائے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ ایک نہایت سچّی بات ہے کیونکہ زکوٰۃ مال کو پاک کرنے کے لیے ہے اور جو مال خرچ ہو رہا ہو وہ جاری پانی کی طرح ہے اور کوئی چیز اسے گندہ نہیں کر سکتی جو مال آج ایک کو فائدہ دے رہا ہے کل دوسرے کو وہ بہتے چشمے کی طرح ہے جس کا پانی اس وقت یہاں ہوتا ہے تو دوسرے منٹ آگے اسی لیے اسلام نے زمینداری تجارت وغیرہ سے منع نہیں کیا لیکن روپیہ یا سونا چاندی جمع کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ زمینداری تجارت وغیرہ سے زمیندار یا تاجر کے علاوہ دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کا سرمایہ بھی ایک طرح خرچ ہو رہا ہے مگر جو روپیہ جمع پڑا ہے وہ چونکہ دوسروں کے کام نہیں آتا اسے گناہ کا موجب قرار دیا اور یہاں تک فرما دیا کہ اس مال کو گرم کر کے انکے جمع کرنے والوں کے ماتھوں پر داغ لگائیں گے" (التوبۃ ۳۵)

(تفسیر کبیر جلد ۱ جزو اوّل صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

عسر و یسر میں غرباء پروری کا ارشاد

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

(آل عمران : ۱۳۵)

"مومن کشائش کی حالت میں بھی غرباء اور مساکین کی امداد کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اور تنگی کی حالت میں بھی۔"

"دنیا میں ہر انسان پر خواہ وہ کس قدر مالدار ہو بعض تنگی کی حالتیں آتی ہیں اور بعض کشائش کی حالتیں آتی ہیں۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ وہ ان دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال خرچ کرتا رہے مگر ضرّاء کے یہ معنے نہیں کہ انسان کے پاس کچھ نہ ہو تب بھی وہ خرچ کرے بلکہ ضرّاء کے لفظ کا استعمال اس غرض کے لیے کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے تاجروں پر بھی بعض دفعہ تنگی کے اوقات آجاتے ہیں۔ دس بیس لاکھ کا کارخانہ ہوتا ہے مگر کسی وجہ سے مال کا فروخت ہونا رک جاتا ہے اس وقت لوگ کہتے ہیں ہم پر بڑی مصیبت آگئی ہے اب ہم کیا کریں پہلی سی حالت ہماری نہیں رہی ہم بڑی تنگی میں

مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ایسی حالتیں آئیں اس وقت بھی تمہارا فرض ہے کہ تم اپنا مال خرچ کرو کیونکہ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دس لاکھ روپیہ کے مالک کارخانہ دار کا کام خراب ہو گیا ہے تب بھی چار پانچ لاکھ روپیہ اس کے گھر میں ضرور موجود ہوگا۔ پس اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر دین کے لیے وہ شخص قربانی کر رہا ہے جس کی آمد پانچ دس یا پندرہ بیس روپے ہے تو اس کے لیے دین کی خاطر قربانی کرنے میں کون سی مشکل درپیش ہے جبکہ اس کے قبضہ میں دیوالیہ ہونے کے باوجود چار پانچ لاکھ روپیہ کا مال ہے پس اس آیت کے صرف یہ معنے نہیں کہ مومن غربت اور امارت دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب بھی ہے کہ امیر پر بھی بعض دفعہ تنگی کی گھڑیاں آجاتی ہیں پس ان تنگی کی گھڑیوں کے متعلق اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تم اُس حالت میں بھی غرباء و مساکین پر اپنا روپیہ خرچ کیا کرو۔ اور یہ نہ کہا کرو کہ ہم کس طرح خرچ کریں ہماری آج کل بکری کم ہے جب وہ شخص جس کے پاس تمہارے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں دین کی خاطر قربانی کرتا رہتا ہے تو تمہارے پاس تو پھر بھی لاکھ دو لاکھ یا چار لاکھ روپے موجود ہیں تمہارے لیے ہچکچاہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔

سائل اور محروم کا حق

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی توجہ دلائی ہے فرماتا ہے

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات ع۱)

یعنی مومنوں کے اموال میں اُن کا بھی حق ہے جو سوال کرتے ہیں اور ان کا بھی حق ہے۔ جو سوال نہیں کرتے۔ سوال نہ کرنا کئی طرح سے ہوتا ہے مثلاً ایک شخص گونگا ہوتا ہے اور وہ بول ہی نہیں سکتا یا جانور ہیں کہ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو دوسرے سے کوئی سوال نہیں کرتے۔ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی جانور بوڑھا ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو لوگ اسے مار کر اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں اور کوئی اس کا پُرسانِ حال نہیں رہتا۔ ایسے جانوروں کو پالنا مالک کا کام ہوتا ہے یا پھر حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مالک کو مجبور کرے کہ وہ اُس جانور کو اپنے گھر میں رکھے یہ کوئی انصاف نہیں کہ جب تک کسی جانور سے کمائی کی جا سکتی ہو اُس وقت تک تو اُسے کھلایا پلایا جائے اور جب وہ بوڑھا ہو کر کام کے قابل نہ رہے تو اُسے مار کر اپنے گھر سے نکال دیا جائے۔ گائے اور بیل تو ایسے جانور ہیں جن کے بوڑھا یا ناکارہ ہونے پر لوگ اُن کو ذبح کر لیتے ہیں مگر گھوڑا اور گدھا وغیرہ ایسے جانور ہیں جن کو ذبح نہیں کیا جا سکتا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ لوگوں کے اموال میں ان کا بھی حق ہے جو مانگ سکتے ہیں اور ان کا بھی حق ہے جو محروم ہیں اور بولنے کی طاقت اپنے اندر نہیں رکھتے اس حکم کے ماتحت

بے زبان جانوروں کی غذا کا خیال رکھنا۔ اُن کی طاقت کے مطابق اُن سے کام لینا اور جن جانوروں سے کوئی کام نہ لیا جائے ان کو بھی کھانا دینا۔ پرندوں وغیرہ کو دانہ ڈالنا۔ بے زبان جانوروں کی سردی گرمی اور ان کے شہوانی جذبات اور ان کے بچوں کا خیال رکھنا بھی مومن کے فرائض میں شامل ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صـ۳۴۱ کالم عـ۲ تا صـ۳۴۲ کالم عـ۲)

عزّت نفس کے باعث سوال نہ کرنیوالوں کی امداد کا حکم

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

(سورۃ البقرۃ : ۲۷۴)

"یہ (مذکورہ بالا صدقات) اُن محتاجوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں (دوسرے کاموں سے) روکے گئے ہیں وہ ملک میں (آزادی سے) آجا نہیں سکتے (ایک) بے خبر (شخص اُنکے) سوال سے بچنے کے سبب سے انہیں غنی خیال کرتا ہے تم اُن کی ہیئت سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو اچھا مال بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔"

"لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ صدقہ کا حکم جو تمہیں دیا گیا ہے یہ (ان) فقراء کے لیے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں روکے گئے ہیں...... اس سے یہ امر یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ نکمے اور سُست نہیں ہوتے بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھے ہوتے ہیں آگے وہ مجبوری بیان نہیں کی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دشمن روکنے والا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدمتِ دین کے کاموں میں رات دن مصروف رہنے کی وجہ سے دنیا کمانے کے دروازے ان پر بند ہوں جیسے صحابہؓ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ عشق اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے کی تمنّا اور دینِ اسلام سیکھنے کی تڑپ اتنا کام کر رہی تھی کہ انہیں کسی اور بات کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ اِس کی مثال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کا واقعہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال قبل ایمان لائے تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ مَیں چونکہ بعد میں ایمان لایا تھا اِس لیے مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مَیں آپؐ کے دروازہ کو نہیں چھوڑوں گا چنانچہ وہ اپنا تمام وقت مسجد میں گذارتے اور قضائے حاجات کے بعد پھر وہیں آکر بیٹھ جاتے۔ ان کو کہیں باہر جانا پسند ہی نہیں تھا تا ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمائیں اور وہ اسے سُن نہ سکیں

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تین سال کے عرصہ کی صحبت پانے کے باوجود اس قدر حدیثیں بیان کی ہیں کہ ان سے بہت زیادہ عرصہ صحبت پانے والوں نے اتنی حدیثیں بیان نہیں کیں۔ اُن کے بھائی نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ یارسولَ اللہ ابوہریرہ سارا دن بیکار پڑا رہتا ہے آپ اسے ہدایت فرمائیں کہ وہ کوئی کام بھی کیا کرے آپ نے فرمایا کبھی خدا تعالیٰ دوسروں کی وجہ سے بھی رزق دیدیا کرتا ہے تمہیں کیا معلوم کہ اُسی کی وجہ خدا تعالیٰ تم کو رزق دے رہا ہو۔ پس ایسے واقفین زندگی جنہوں نے اپنے تمام اوقات خدا اور اس کے رسول کے لیے وقف کر رکھے ہوں اور وہ کوئی تجارت وغیرہ نہ کر سکتے ہوں وہ بھی اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں ہی شامل ہیں۔

پھر ایک رُکنا وہ بھی ہے جس کا فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورۃ توبہ : ۱۲۲) میں ذکر آتا ہے یعنی کیوں نہ ہوا کہ ہر قوم اور جماعت کے کچھ لوگ مرکز میں دین سیکھنے کے لیے آتے اور اپنی قوم کو واپس لوٹ کر بے دینی سے

ہوشیار کرتے تاکہ وہ گمراہی سے ڈریں جیسا کہ اس زمانہ میں مختلف ممالک سے لوگ دین سیکھنے کے لیے احمدیت کے مرکز میں آتے اور کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے ہیں اور پھر واپس جا کر اپنے ملک اور قوم کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا موجب بنتے ہیں پس ایک رُکنا دین حاصل کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے وہ اپنے نفس کے آرام کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس کے دین کی خدمت کرنے کی وجہ سے روکے جاتے ہیں وہ زمین میں پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی ہر وقت دین کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور انہیں دینی امور میں اتنا شغف ہوتا ہے کہ معاش کے حصول کے لیے کسی اور طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے لیکن مال کی کمی کے باوجود وہ اپنے نفس کو سوال کی ذناءت سے بچاتے اور خاموش رہتے ہیں اور اس وجہ سے وہ لوگ جو غور کرنے کے عادی نہیں۔ انہیں خوشحال سمجھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق تمہارا فرض ہے کہ تم خود ان کی ضروریات کا خیال رکھو اور ان کے لیے اپنے اموال کا ایک حصہ خرچ کرو۔

اِس آیت کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں نے کسب معاش سے روک دیا ہے جیسے کئی احمدی ہیں جن کو محض قبولِ احمدیت کی وجہ سے ملازمتوں وغیرہ سے الگ ہونا پڑا یا کسبِ معاش کے ذرائع ان پر بند کئے گئے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ایسے لوگ چونکہ دستِ سوال دراز نہیں کرتے اس لیے جاہل لوگ انہیں تعفّف کی وجہ سے مالی امداد سے بالا سمجھتے ہیں حالانکہ عزتِ نفس نے اُن کے لبوں پر مہرِ خاموشی لگائی ہوئی ہے ورنہ وہ بعض محتاج دکھائی دینے والوں سے بھی زیادہ قابلِ امداد ہوتے ہیں اور ان کا حق ہوتا ہے کہ ان کی مناسب امداد کی جائے اور ان کی پریشانیوں کو دُور کیا جائے تاکہ وہ دینی خدمات کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ میں بتایا کہ تُو ان کی علامت یا شکل ہی سے ان کو پہچان لیتا ہے۔ سِیْمَا کے معنے اگر شکل اور حالت کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تُو ان کا چہرہ دیکھکر پہچان لیتا ہے کہ وہ مالی پریشانی کا شکار ہیں اور اگر علامت کے معنے لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تُو ان کا دریدہ لباس اور اُن کی پھٹی پُرانی جوتی۔ اُن کی بوسیدہ پگڑی اور اُن کی سادہ طرزِ رہائش پر نظر ڈال کر پہچان لیتا ہے کہ یہ لوگ قابلِ امداد ہیں اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے مومنوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ہمارا رسول تو ایسے لوگوں کو پہچان لیتا ہے پھر تم کیوں نہیں پہچانتے اور کیوں اپنی آنکھیں کھول کر نہیں رکھتے اس بارہ میں احادیث میں حضرت ابوہریرہؓ ہی کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے ایک

دن وہ سخت بھوکے تھے حضرت ابوبکرؓ پاس سے گذرے تو انہوں نے اُن سے ایک آیت کا مطلب پوچھا وہ بتا کر چلے گئے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ کیا مَیں اِن سے کم معنے جانتا ہوں کہ وہ معنے بتانے لگ گئے میرا تو یہ مطلب تھا کہ وہ شکل دیکھ کر پہچان لیں اور مجھے کچھ کھانے کو دیں پھر حضرت عمرؓ پاس سے گذرے انہوں نے آپ سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا وہ بھی معنے بتا کر چلے گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ پھر کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ کیا ابوہریرہؓ اِن سے کم معنے جانتا ہے کہ انہوں نے آیت کے معنے بتائے اور چلے گئے اتنے میں مسجد کی ایک طرف سے کھڑکی کھلی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیار سے فرمایا ابوہریرہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم بھوکے ہو۔ پھر آپ نے فرمایا اگر مسجد میں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوں تو ان کو بھی بلا لاؤ۔ اس وقت مسجد میں سات آدمی تھے حضرت ابوہریرہؓ ان کو بلا لائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا ایک پیالہ دیکر فرمایا کہ پہلے ان کو پلاؤ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ بھوک تو مجھے لگی ہوئی ہے اگر انہوں نے دودھ پی لیا تو میرے لیے کیا بچے گا۔ لیکن مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق ان کو باری باری دودھ پلایا اور سب نے پی لیا مگر پھر بھی وہ پیالہ اسی طرح بھرا رہا پھر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ ابوہریرہ! اب تم پیو آخر میں نے پیا اور خوب پیا۔ جب میں سیر ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پیو۔ میں نے پھر پیا۔ آپ نے فرمایا پھر پیؤ میں نے پھر پیا۔ آپ نے فرمایا پھر پیؤ آخر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تو میرے ناخنوں تک دودھ کی تراوت پہنچ گئی ہے اس پر آپ نے وہ پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا اور خود پی لیا یہ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ کی صداقت کا کتنا زبردست ثبوت ہے۔ غرض اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خوبی بتائی گئی ہے کہ ہمارا رسول ایسے محتاجوں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیتا ہے پس اے مسلمانو! تم بھی انکو پہچاننے کی کوشش کیا کرو۔

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے۔"

مسکین کی شرعی تعریف

"خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ اَوِ التَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَتَعَفَّفُ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ يعني قوله لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

(بخاری کتاب التفسیر) یعنی مسکین وہ نہیں جسے ایک یا دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے دے دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال ہی نہیں کرتا۔ یہ الحاف کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تفسیر بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْئَلُ النَّاسَ (بخاری جلد اول کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ عزّ وجلّ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا) یعنی مسکین وہ نہیں جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے اور اسے ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور نہ لوگوں کو اس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اُسے صدقہ ہی دے دیں اور نہ ہی وہ لوگوں سے سوال کر کے اپنی حاجت پوری کرے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسکین دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو لوگوں سے سوال کرتے پھرتے ہیں اور انہیں دوسروں سے مانگنے کی عادت ہو جاتی ہے دوسرے وہ جو لوگوں سے مانگتے نہیں بلکہ کام کر کے روزی کماتے ہیں۔ لیکن ان کی آمد اس قدر کم ہوتی ہے کہ وہ بھی قابلِ امداد ہوتے ہیں۔ بہرحال احادیث میں سوال کرنے سے سخت

روکا گیا ہے اور سوائے تین آدمیوں کے اور کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں سمجھا گیا چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلَاثَةٍ لِذِیْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِیْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِیْ دَمٍ مُوْجِعٍ (مشکوٰۃ المصابیح) یعنی تین آدمیوں کے سوا اور کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ اوّل اس کے لیے جس کو کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ملتی ہو یعنی ایسی حالت ہوگئی ہو کہ اور کسی ذریعہ سے اس کو کھانا ملنا ناممکن ہو۔ دوم جس پر بلا اس کے کسی قصور کے چٹی پڑ گئی ہو اور اسے وہ ادا نہ کر سکتا ہو۔ سوم کوئی قتل ہوگیا ہو اور اُس کی دیت ادا کرنے کی اُس میں طاقت نہ ہو ایسے موقع پر اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنے یہ ہوں کہ اُن لوگوں کے لیے دوسروں کو سوال کرنا جائز ہے نہ کہ خود اُسکو۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ دو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوالی بن کر آئے۔ آپؐ نے ان کو سر تا پا دیکھا اور فرمایا اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَیْتُکُمَا مِنْهَا وَلَا حَظَّ فِیْهَا لِغَنِیٍّ وَلَا لِقَوِیٍّ مُکْتَسِبٍ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۶۲) یعنی اگر تم چاہو تو میں تم کو مال دے دیتا ہوں مگر صدقہ کے مال میں صدقہ دینے والے آسودہ حال اور کمانے والے کا کوئی حق نہیں اسی طرح آپ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ

مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهٗ مَا یُغْنِیْهِ فَاِنَّمَا یَسْتَکْثِرُ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ یعنی جو شخص دوسروں سے سوال کرے اور اس کے پاس اتنی چیز موجود ہو جو اس کے کام آسکے تو وہ جہنم کی آگ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وَمَا یُغْنِیْهِ کفایت کرنے والی چیز سے کیا مراد ہے آپؐ نے فرمایا مَا یُغَدِّیْهِ اَوْ یُعَشِّیْهِ ایسی چیز جو اس کے صبح یا شام کے کھانے میں کام آسکے (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱) غرض لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا میں بتایا کہ وہ لوگ دوسروں سے سوال ہی نہیں کرتے کیونکہ خود سوال کرنا ہی اپنی ذات میں اِلحاف ہے۔“

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۶۲۵ کالم ۲ تا صفحہ ۶۲۹ کالم ۱)

غرباء کو امراء کے دوش بدوش کھڑا کرنے کے لیے قرآنی فرمان

يُزَكِّيهِمْ (البقرہ - آیت ۱۳۰)

ترجمہ: "(ایسا رسول مبعوث فرما جو) انہیں پاک کرے۔"

"اسلامی تعلیم بنیادی طور پر ایسے امور پر مشتمل ہے جن سے مسلمان دنیوی لحاظ سے بھی غیر معمولی ترقی کر سکتے ہیں مثلاً ایک بڑی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ: ۱۰۳) یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنی امت کے لوگوں سے مال لے اور اس کے ذریعہ اُن کو پاک کر اور ان کو بڑھا یہ قانون جو اسلام نے قائم فرمایا ہے دنیا کی اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں صرف اسلام ہی ہے جس نے ایک قومی فنڈ مقرر کیا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے غرباء کی طاقت کو بڑھایا جائے اور انہیں بھی ترقی کی دوڑ میں امراء کے دوش بدوش کھڑا کیا جائے یہ مال جن مقامات پر خرچ کیا جا سکتا ہے ان میں سے اگر ایک فنڈ ہو جس سے ان کی مدد کی جائے تو قوم میں سوال کرنے کی عادت پیدا نہیں ہوتی اسلامی

طریق یہی ہے کہ لوگوں کی ضروریات کو جہاں تک ہو سکے خود پورا کیا جائے اور جماعتی نظام ان کا خیال رکھے اور ان کے مانگنے کے بغیر ہی ان کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔

مسکین خالی وہ شخص نہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو بلکہ مسکین وہ بھی ہے جو کوئی پیشہ تو جانتا ہو مگر اس کے پاس اتنا روپیہ نہ ہو کہ وہ ضروری آلات خرید سکے ایسے شخص کے متعلق بھی ضروری ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور اسے اپنے فن سے تعلق رکھنے والی ضروری اشیاء اور آلات مہیا کئے جائیں اسی طرح جو بیوگان اور یتامیٰ ہیں ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے یہ تمام باتیں يُزَكِّيهِمْ میں شامل ہیں کیونکہ اس طرح قوم کے افراد ترقی کر سکتے ہیں۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ ص ۱۹۴ کالم ۱ و ۲)

غرباء کو اُٹھانا دین کا اہم حصّہ ہے

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

(الحج: آیت ٢٧)

ترجمہ: "اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں کے لیے اور سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک کر۔"

"اسلام میں ذکرِ الٰہی صرف اس بات کا نام نہیں کہ انسان سُبحان اللہ سُبحان اللہ کہتا رہے بلکہ وہ تمام کام جن سے قوم کو فائدہ پہنچے اور جو قوم کے اخلاق اور اس کی دنیوی حالت کو اونچا کریں ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں اور ان کا مساجد میں کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر کوئی مہمان آجاتا تو آپ مسجد میں ہی صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرماتے کہ فلاں مہمان آیا ہے تم میں سے کون اسے ساتھ لے جائے گا اب بظاہر یہ روٹی کا سوال تھا لیکن در حقیقت دین تھا اس لیے کہ اس سے ایک دینی ضرورت پوری ہوتی تھی۔ لوگوں نے

غلطی سے دین کے معنوں کو بہت محدود کر دیا ہے حالانکہ دین اس لیے نازل ہوا ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور خدا تعالیٰ بغیر کسی خدمت کے بندہ سے نہیں ملتا۔ بلکہ وہ یتیم کی پرورش کرنے سے ملتا ہے وہ بیوہ کی خدمت کرنے سے ملتا ہے وہ کافر کو تبلیغ کرنے سے ملتا ہے وہ مومن کو مصیبت سے نجات دلانے سے ملتا ہے پس ان باتوں کا اگر مسجد میں ذکر کیا جاتا ہے تو یہ دنیا نہیں بلکہ دین کا ہی حصّہ ہوگا۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصّہ اول ص۲۸ کالم ۲ و ص۲۹ کالم ۱)

خدا ان کو پسند نہیں کرتا جو اپنے اموال غریبوں پر خرچ نہیں کرتے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ○

(سورۃ الحج : آیت ۳۹)

ترجمہ: "اللہ (تعالیٰ) یقیناً ہر خیانت کرنے والے (اور) انکار کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔"

"وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے باوجود ناشکرے ہوتے ہیں یعنی اپنے اموال کو غریبوں پر خرچ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا بلکہ انہی کو پسند کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو مختلف طریقوں سے بنی نوع انسان پر خرچ کرتے رہتے ہیں مثلاً قربانیوں کا گوشت کھلا کر یا کپڑے وغیرہ دے کر یا اور مختلف ذرائع سے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۶۱ آخر کالم ۲ تا صفحہ ۶۲ کالم ۱)

غریب بھائیوں کے اخراجات خوشی سے برداشت کرو

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

(البقرۃ : آیت ۱۹۶)

"اور اللہ کے راستے میں (مال و جان) خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں (اپنے آپ) کو ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان سے کام لو اللہ (تعالیٰ) احسان کرنے والوں سے یقیناً محبت کرتا ہے۔"

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غرباء کی امداد کی طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ تم زکوٰۃ اور عشر وغیرہ مقررہ ٹیکس بھی دو مگر اس کے علاوہ ہم تم سے بعض طوعی ٹیکس بھی مانگتے ہیں چنانچہ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہمیشہ غرباء کی امداد کیلئے روپیہ دیتے رہو وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور اپنے نفسوں کو

ہلاکت میں مت ڈالو یعنی اے مالدارو! اگر تم اپنے مال خوشی سے دے دو گے تو وہ تو زائد ہی ہیں تم کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے زارِ روس کے ساتھ ہونے والے واقعات کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھدیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو جو کچھ زارِ روس اور روسی امراء یا فرانس کے امراء کا حال ہوا وہی تمہارا ہو گا آخر عوام ایک دن تنگ آکر لوٹ مار پر اُتر آئیں گے اور شاہ پوری محاورہ کے مطابق دُعائے خیر پڑھ دیں گے۔ حضرت خلیفۃ اوّل رضی اللہ عنہ اس محاورہ کی تشریح یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے علاقے میں کچھ مدت پہلے زمیندار بنیئے سے قرض لیتے جاتے تھے اور بنیا بھی دیتا چلا جاتا تھا کچھ عرصہ تک تو انہیں اس کا احساس نہ ہوتا۔ مگر جب سب علاقہ اس بنیئے کا مقروض ہو جاتا اور زمینداروں کی سب آمد اس کے قبضہ میں چلی جاتی تو یہ دیکھ کر اس علاقے کا کوئی بڑا زمیندار تمام چودھریوں کو اکٹھا کرتا اور کہتا کہ بتاؤ اس بنیئے کا قرض کتنا ہے وہ بتاتے کہ اتنا قرض ہے اس پر وہ دریافت کرتا کہ اچھا پھر اس قرضے کے اُترنے کا کوئی ذریعہ ہے یا نہیں وہ جواب دیتے کہ ہمیں تو کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا اس پر وہ کہتا کہ اچھا تو پھر "دُعائے خیر پڑھ دو" چنانچہ وہ سب

دعائے خیر پڑھ دیتے اور اس کے بعد ہتھیار لیکر بنیئے کے مکان کی طرف چل پڑتے اور اسے قتل کر دیتے اور اس کے بہی کھاتے سب جلا دیتے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں ایسی ہی حالت کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ دیکھو ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس زائد مال ہو تو اُسے خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیا کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ پھر فرماتا ہے وَاَحْسِنُوْا بلکہ اس سے بڑھکر ہم تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ تم نیکی کرو اور وہ اس طرح کہ تم خود اپنی ضرورتوں کو کم کر کے اور مال بچا کر خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا کرو مگر یاد رکھو کہ یہ عمل تم لوگوں سے ڈر کر نہ کرو بلکہ خوشی سے کرو اگر خوشی سے یہ قربانی کرو گے تو غریب بھی خوش ہوں گے تم بھی ہلاکت سے بچ جاؤ گے اور خداتعا بھی تم پر خوش ہو گا۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ پھر ہماری کمائی کا صلہ ہم کو کیا ملا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا صلہ مال سے زیادہ ملے گا اور وہ تمہارے پیدا کرنے والے خدا کی محبت ہے تمہاری دنیا کیساتھ تمہاری عاقبت بھی درست ہو جائیگی۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۴۲۹ کالم ۲ تا صفحہ ۴۳۱ کالم ۲)

غرباء کی امداد پاک اموال سے کرو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝

(البقرة : آیت ۲۶۸)

ترجمہ:- "اے ایمان دارو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اُس میں سے پاکیزہ چیزیں اور (نیز) اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں حسب توفیق) خرچ کرو اور ناکارہ چیز کو اور جس میں سے تم خرچ (تو) کرتے ہو مگر خود تم سوائے اسکے کہ اس (کے قبول کرنے) میں چشم پوشی سے کام لو اسے

ہرگز قبول نہیں کرتے (صدقہ کے لیے) بالارادہ نہ چُنا کرو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ (بالکل) بے نیاز (اور) بہت ہی حمد کا مستحق ہے۔"

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ دو اُس مال میں سے دو جو تمہارا کمایا ہوا ہے اور اچھا مال ہے یہ نہیں کہ دوسروں کے اموال پر ناجائز تصرف کر کے ان کو خرچ کرنے لگ جاؤ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے دل میں غریبوں کی امداد کا جوش پیدا ہوتا ہے تو وہ ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر انہیں جو کچھ ملتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں وہ لوگ جو فلسفۂ اخلاق سے واقف نہیں ہوتے بالعموم ایسے ڈاکوؤں کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں ڈاکو بڑا اچھا ہے کیونکہ وہ غریبوں کی خوب مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غریبوں کی مدد کرنے کا کوئی طریق نہیں کہ ڈاکہ ڈالا اور دوسروں کا مال چھین کر غریبوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنی جائز کمائی میں سے جتنا دے سکتے ہو دو اور باقی کام خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ . . . .

اس جگہ مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ سے یہ مراد ہے کہ تم نے

جو کچھ کمایا ہے وہ طیّب ہی ہے لیکن ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اس طیّب مال کا بھی (جس میں ہر قسم کا مال اور علم بھی شامل ہو سکتا ہے) ایک حصّہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔

دوسرے یہاں طیّب حرام کے مقابلہ میں نہیں بلکہ خبیث کے مقابلہ میں آیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اَنْفِقُوْا میں صدقہ دینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ تب پورا ہوگا جب تم اپنے اچھے اور مرغوب مال میں سے خرچ کروگے یوں مستعمل اشیاء بھی غرباء کو دی جا سکتی ہیں اور ان کا دینا ہر گز منع نہیں مثلاً انسان اگر کسی کو پرانا کپڑا دیدے جس سے دوسرا شخص فائدہ اٹھالے تو یہ ناجائز نہیں بلکہ یہ فعل اُسے ثواب کا مستحق بنائے گا مگر اللہ تعالیٰ نے اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ میں صدقہ دینے کا جو حکم دیا ہے وہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہوگا وہ اس حکم سے اُسی وقت عہدہ برآ ہوگا جب وہ اُس چیز میں سے دے جو اس کے کام کی ہے یعنی اعلیٰ درجہ کا اور اچھا مال دے تا کہ اس کی قربانی زیادہ بلند شان رکھنے والی ہو۔

پھر فرمایا وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ تم اس میں سے بھی خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے نکالا ہے درحقیقت دنیا میں دو ہی طرح مال حاصل ہوتا ہے ایک تو تجارت اور ملازمت

وغیرہ کے ذریعہ۔ دوسرے ان ذخیروں کے ذریعہ جو خدا تعالیٰ نے زمین کے اندر رکھے ہیں اور انسان کوشش کر کے ان کو نکالتا ہے جیسے کھیتوں۔ دفینوں اور کانوں وغیرہ سے انسان کو آمدنی ہوتی ہے پس مِنَ الْاَرْضِ میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو زمین سے نکلتی ہیں صرف زراعت مراد نہیں اسی طرح نباتات وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ غرض ۲ دو قسمیں بتا کر ان دونوں کی طرف اشارہ کر دیا اور بتایا کہ خواہ تم ملازمت تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ کے ذریعہ روپیہ کماؤ۔ خواہ زمینی ذخائر اور معدنیات سے فائدہ اٹھاؤ۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے تمام اموال کا ایک حصّہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ یہاں اللہ تعالیٰ نے مطلق اَلْخَبِیْثَ کا لفظ رکھا ہے اور یہ چھوڑ دیا ہے کہ وہ کس کے لیے خبیث ہو اس وجہ سے اِس کے کئی معنے ہو سکتے ہیں (۱) ایک معنے تو یہ ہیں کہ وہ چیز جو فی نفسہٖ بُری اور ناقابلِ استعمال ہو نہ یہ کہ اضافی طور پر یعنی جو چیز کسی فرد کے لیے بھی قابل استعمال نہ ہو وہ کسی کو نہ دو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز دینے والے کے کام کی تو نہ ہو مگر لینے والے کے کام کی ہو۔ (۲) ایسی چیز نہ دو کہ جسے تم دینے لگے ہو وہ اُسے ناپسند کرتا ہو یا اُسے مکروہ نظر

آئے اس میں بتایا کہ جسے تم کوئی چیز دو اس کے احساسات کا بھی خیال رکھ لیا کرو تاکہ اس کا دل میلا نہ ہو یا ایسی چیز نہ ہو جو اس کے کام کی نہ ہو

(۳) تیسرے معنے تیمّم کے لفظ سے یہ پیدا ہوتے ہیں کہ تلاش کر کے ناپسندیدہ اور ناکارہ چیزیں مت دو یعنی یہ دیکھکر کہ فلاں چیز تو میرے کسی کام کی نہیں اسلیئے دے دوں درست نہیں۔ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ۔ فرمایا ایسی چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں مت دو کہ اگر تمہیں وہی چیز ملے تو تم شرم کے مارے تو لے لو مگر یوں نہیں لے سکتے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ فرماتا ہے یہ صدقات تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی احتیاج نہیں اگر تم اس کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہو یا اُس کے بندوں کو دیتے ہو تو درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کو دیتے ہو اس لیے تم اس کے بندوں کو صدقہ دیتے وقت خدا تعالیٰ کی عظمت کو ملحوظ رکھو جب تم دنیوی لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اُنکی شان کو ملحوظ رکھتے ہو حالانکہ وہ بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے جب تم صدقہ دیتے ہو تو اُسکی شان کو کیوں ملحوظ نہیں رکھتے وہ تو غنی بھی ہے اور حمید بھی۔ اُسے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تمہیں اسکی مدد کی ضرورت ہے اور پھر وہ ہر قسم کی حمد کا مستحق ہے اس لیے تم اس کے بندوں سے اچھا سلوک کرو تا وہ بھی تم سے اچھا سلوک کرے۔

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۶۱۴ کالم ۲ تا صفحہ ۶۱۶ کالم ۱)

غرباء کی اعانت کے دو بنیادی اغراض

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○

(سورۃ البقرہ : ۲۶۶)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اُن (کے خرچ) کی حالت اس باغ کی حالت کے مشابہ ہے جو اونچی جگہ پر ہو (اور) اس پر تیز بارش ہوئی ہو جس (کی وجہ) سے وہ اپنا پھل دو چند لایا ہو اور

اس کی یہ کیفیت ہو کہ) اگر اُس پر زور کی بارش نہ پڑے تو
تھوڑی سی بارش ہی (اس کے لیے کافی ہو جائے) اور
جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی دو۲ اغراض
بیان فرمائی ہیں اوّل ابتغاء مرضات اللہ دوم تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول اور قوم کی مضبوطی۔ کیونکہ صدقات
کے نتیجہ میں غرباء کو ترقی کے مواقع میسّر آجاتے ہیں اور وہ بھی اپنی قوم
کا ایک مفید جزو بن جاتے ہیں جس قوم کے افراد گرے ہوئے ہوں وہ
قوم بھی یقینی طور پر مضبوط نہیں ہو سکتی کیونکہ گرے ہوئے افراد اس کے
لیے بوجھ بن جاتے ہیں اور وہ ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھانے سے
قاصر رہتی ہے اسی لیے یورپین قومیں جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں
وہ بھی محض اس لیے صدقہ و خیرات کرتی رہتی ہیں کہ قوم کے غرباء کی
ترقی سے خود قوم بڑھتی اور ترقی کرتی ہے غرض صدقہ کی اسلام نے
دو۲ اغراض بتائی ہیں۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول جو
سب سے بڑی اور حقیقی غرض ہے۔ دوم۔ قوم کی مضبوطی۔ کیونکہ غرباء
کی مدد درحقیقت اپنی مدد ہوتی ہے۔

دوسرے معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ جب مومن کمزور اور بے سہارا

لوگوں کی امداد کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی
ان کی مدد کرتا اور ان کی مضبوطی اور ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے اسی
نکتہ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اشارہ کرتی ہے
کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے
مشکل اوقات میں اس کی تائید فرماتا ہے۔

(۳) پھر روحانی طور پر اس انفاق کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جو شخص
خدا تعالیٰ کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے وہ آہستہ آہستہ دین میں
مضبوط ہوتا جاتا ہے اسی وجہ سے میں نے اپنی جماعت کے لوگوں
کو بارہا کہا ہے کہ جو شخص دینی لحاظ سے کمزور ہو وہ اگر اور نیکیوں
میں حصّہ نہ لے سکے تو اس سے چندہ ضرور لیا جائے کیونکہ جب وہ
مال خرچ کرے گا تو اس سے اُس کو ایمانی طاقت حاصل ہوگی اور
اس کی جرأت اور دلیری بڑھ جائے گی اور دوسری نیکیوں میں بھی حصّہ
لینے لگ جائے گا۔

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۶۱۲ کالم ۲،۱)

دولت سے محبّت اور اس کے ناجائز استعمال کی ممانعت

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝

(الفجر: آیت ۱۶)

ترجمہ: پس (ذرا دیکھو تو) انسان کی حالت (کو جو) یہ ہے کہ جب اُس کا ربّ اُسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور اُس کی عزّت کرتا ہے اور اُس پر نعمت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ (دیکھو میں ایسا ذی شان ہوں کہ) میرے ربّ نے (بھی) میری عزّت کی۔

"(اسلام میں) دولت کمانا منع نہیں بشرطیکہ وہ دین میں حارج نہ ہو صرف دولت کے ساتھ محبّت کرنا یا اس کا ناجائز استعمال منع ہے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے پاس ویسی ہی دولتیں تھیں

جیسے آج کل بڑے بڑے امراء کے پاس ہوتی ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے متعلق تاریخوں میں آتا ہے کہ اُن کی وفات کے بعد اڑھائی کروڑ روپیہ کے برابر اُن کی جائداد نکلی۔ اس وقت کا اڑھائی کروڑ روپیہ آج کل کے تیس چالیس کروڑ روپیہ کے برابر بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اُن کا کھانا پینا ویسا ہی تھا جیسے عام مسلمانوں کا تھا وہ اپنی آمدنی کے متعلق کوشش کرتے تھے کہ اُسے خدا تعالیٰ کے رستہ میں صرف کر دیں۔ اُن کی اولاد نے آگے ایسا کیا یا نہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن وہ اپنی زندگی میں بلا دریغ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا روپیہ خرچ کرتے رہتے تھے تو کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا ملنا بھی ایک آزمائش ہوتی ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزء چہارم نصف اوّل صفحہ ۵۵۲ کالم ۱)

دولت کمانے کی مشروط اجازت

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ
الزَّكٰوةِ ۙ

(سورۃ النور: ۳۹)

ترجمہ: (یہ ذکر کرنے والے) کچھ مرد ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تجارت اور نہ سودا بیچنا غافل کرتا ہے۔

"اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ بے شک تم مال کماؤ، لیکن دیکھو کہ اس کے نتیجہ میں تمہارے اندر کبر پیدا نہ ہو تمہاری دولت امیر اور غریب میں فرق پیدا کرنے کا موجب نہ بن جائے اگر کوئی دولت امیر اور غریب میں اتنا بُعد پیدا کر دیتی ہے کہ امیر اپنے غریب بھائی کے ساتھ مل کر بیٹھ نہیں سکتا۔ ایک دسترخوان پر اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا اگر وہ ملنے کے لیے آتا ہے تو امیر آدمی تکبر سے پیٹھ موڑ لیتا ہے یا غصہ اور جوش کی حالت میں اُس سے کہتا ہے تم جانتے نہیں میں کون

ہوں تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ شخص دولت کمانے کے بعد انسان نہیں رہا بلکہ حیوان بن گیا ہے اور دولت صرف انسان کے لیے جائز ہے حیوان کے لیے نہیں، لیکن اگر کسی شخص کے پاس دولت تو آجاتی ہے مگر اس کے باوجود اس میں اور دوسرے غریب بھائیوں میں مغائرت کی کوئی دیوار حائل نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو کوئی علیحدہ جنس سمجھنے نہیں لگتا، وہ دوسروں کو تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، وہ ان کے ساتھ محبت سے بات چیت کرتا ہے اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتا ہے اپنے آپ کو کوئی الگ قسم کا آدمی اور غریبوں کو کوئی الگ قسم کے آدمی نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کے لیے دولت کمانا بالکل جائز ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۳۴۶ کالم ۲)

ضرورت سے زائد روپیہ بند رکھنا جائز نہیں

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (التوبہ آیت ۳۴)

"یعنی وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اسے خرچ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو تو دردناک عذاب کی خبر دے دے۔"

"اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو شخص روپیہ کماتا اور اسے غلّق میں بند کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ایسا شخص اسلامی نقطہ نگاہ سے مومن نہیں کہلا سکتا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مومن بھی اپنی تجارتوں کو بڑھاتا ہے اور اگر وہ اپنی تجارت کو ترقی نہیں دیگا تو اس کے پاس روپیہ کہاں سے آئے گا روپیہ کمانے کے لیے ضروری ہے کہ تجارت اور صنعت کو فروغ دیا جائے، لیکن اگر کسی تجارت یا صنعت کا یہ نتیجہ نکلے کہ انسان روپیہ

جمع کرنا شروع کر دے اور بخل کا مرض اس میں اس قدر ترقی کر جائے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اس پر گراں گذرنے لگے تو اسلامی تعلیم کے لحاظ سے وہ تجارت اور صنعت بالکل ناجائز ہوگی۔ وہی تجارت اور وہی صنعت جائز ہے جس کے نتیجہ میں بے کار روپیہ جمع نہ کیا جائے ہاں وہ روپیہ جس کا رکھنا کسی خاص غرض کے لیے ضروری ہو مثلاً کام کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے یا مکان وغیرہ بنانے کے لیے یا روزانہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یا بچوں کی شادی بیاہ کے لیے۔ ایسا روپیہ ہر شخص اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا مثلاً ایک شخص جس نے کارخانہ کھولا ہوا ہو اُسے کارخانہ کے لیے کبھی لوہا خریدنا پڑتا ہے کبھی کوئلہ خریدنا پڑتا ہے کبھی مٹی کا تیل خریدنا پڑتا ہے کبھی آٹے یا سوجی کے لیے گیہوں خریدنا پڑتا ہے یا اگر بوٹ کا کارخانہ اس نے جاری کیا ہوا ہے تو اُسے مشینیں خریدنی پڑتی ہیں کیل خریدنے پڑتے ہیں۔ چمڑا خریدنا پڑتا ہے اور پھر بعض دفعہ کارخانوں میں کام کرتے کرتے مشینوں کے پُرزے ٹوٹ جاتے ہیں بعض دفعہ کوئی مشین ہی ناکارہ ہو جاتی ہے اور اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ اور مشین یا مشین کے اور پُرزے خریدے جائیں ان تمام کاموں کے لیے جب تک روپیہ پاس نہ ہو کوئی کارخانہ دار اپنے کارخانے کو چلا نہیں سکتا۔ اسلام کے نزدیک اس قسم کے کاموں

کو چلانے کے لیے جتنے روپے کی ضرورت ہو وہ انسان اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا مثلاً ایک شخص مکان بنانے کے لیے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے لیے اُس کی روزانہ آمدنی کافی نہیں ہو سکتی تو یہ اسلام کے خلاف نہیں ہوگا اور نہ یہ اس رنگ میں روپیہ کا جمع کرنا کہلائے گا جس رنگ میں روپیہ کا جمع کرنا اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے یہ صرف بعد میں آنے والے ضروری اخراجات کو مہیّا کرنے کی ایک جائز صورت ہوگی یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لو کہ بعد میں اُس نے جو کچھ خرچ کرنا ہے اس کے لیے یہ اس کی تیاری ہوگی پس چونکہ یہ روپیہ محض جمع رکھنے کے لیے نہیں بلکہ کسی دوسرے وقت خرچ کرنے کے لیے ہے اس لیے اس قسم کی ضروریات کے لیے روپیہ پس انداز کرنا اسلام کی رُو سے بالکل جائز ہے ہاں جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد روپیہ ہوتا ہے اور وہ اس روپیہ کو بند کر کے رکھ دیتے ہیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اسلام کے نزدیک اگر ایک شخص دس لاکھ روپیہ سے ایک کارخانہ جاری کر دیتا ہے تو یہ بالکل جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ غلّق میں بند کر کے رکھ دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص دس لاکھ روپیہ کسی کارخانے پر لگاتا ہے تو اسے کئی ہزار روپیہ مشینوں کے خریدنے پر صرف کرنا پڑتا

ہے پھر ان مشینوں سے کام لینے والے مستریوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے فٹروں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ مزدوروں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح سینکڑوں لوگوں کے لیے روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح جب کوئی کارخانہ جاری کیا جاتا ہے تو اس میں کچھ لوگوں کو افسر مقرر کرنا پڑتا ہے کچھ ماتحت ہوتے ہیں۔ کچھ قلی ہوتے ہیں کچھ نگران ہوتے ہیں۔ اس طرح دو دو سو چار چار سو پانچ پانچ سو بلکہ ہزار ہزار آدمیوں کے لیے روزگار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے کارخانوں میں تو بعض دفعہ بیس بیس ہزار آدمی ایک وقت میں کام کر رہے ہوتے ہیں اس طرح اس کا روپیہ بند نہیں رہتا بلکہ بنی نوع انسان کے کام آتا رہتا ہے یا اگر کوئی شخص اپنے روپیہ سے تجارت کرتا ہے تب بھی وہ لوگوں کے کام آتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دس ہزار روپیہ بند کر کے رکھ دیتا ہے تو چونکہ لوگ اس روپیہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے اسلام کے نزدیک اس قسم کا روپیہ جمع رکھنا ناجائز ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول ص ۳۳۷ کالم ۲ تا ص ۳۳۸ کالم ۲)

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ

(النور : ۲۵)

ترجمہ: "زکوٰۃ کے دینے سے (مومنوں کو کوئی تجارت غافل نہیں کرتی)"

"اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ تم جو مال بناؤ یا دوسروں سے خریدو اُسے روک کر نہ رکھ لیا کرو کہ جب مال مہنگا ہوگا اس وقت ہم فروخت کریں اگر کوئی تاجر مال کو اس لیے روک کر رکھتا ہے کہ جب مال مہنگا ہوگا اُس وقت وہ اسے فروخت کر کے زیادہ نفع کمائیگا تو اسلام کی رُو سے وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے حدیثوں میں صاف طور پر ذکر آتا ہے کہ اگر کوئی شخص غلّہ خرید کر اس لیے روک لیتا ہے کہ جب غلہ مہنگا ہوگا تو اس وقت میں اسے فروخت کروں گا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ مگر بعض لوگوں نے غلطی سے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم صرف غلّہ کے متعلق ہے اور چیزوں کے متعلق نہیں حالانکہ تفقّہ کے معنے ہی یہی ہوتے ہیں کہ جو حکم کسی خاص موقعہ پر دیا جائے اس

کے متعلق دیکھا جائے کہ اس کی غرض کیا تھی اور پھر جہاں جہاں وہ غرض پائی جائے۔ اس حکم کو چسپاں کر دیا جائے پس گو احتکار کا حکم غلہ کے متعلق ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف غلہ کے تاجروں کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ غلّہ کو اس ارادہ اور نیت سے روک لیتے ہیں کہ جب غلّہ مہنگا ہوگا تب فروخت کریں گے تو وہ ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن اس سے عام استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس حکم کی اصل غرض یہ ہے کہ لوگ کسی چیز کو نہ روک رکھیں تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو پس شریعتِ اسلامی کی رُو سے کوئی ایسی تجارت اور صنعت جائز نہیں جس میں احتکار سے کام لیا گیا ہو یعنی یہ مدنظر رکھا گیا ہو کہ جب چیزیں مہنگی ہوں گی تب ان چیزوں کو ہم فروخت کریں گے اس سے پہلے ہم فروخت نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے کے جو جائز ذرائع رکھے ہوئے ہیں صرف ان ذرائع سے کام لینا چاہیئے۔ ناجائز اور گندے اور ناپاک ذرائع جن کا اسلام دشمن ہے جن سے اس نے بڑی شدّت کے ساتھ منع کیا ہے اُن کو اختیار کرنا دین کی ہتک کرنا اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں موردِ غضب بننا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل صـ ۳۴۵ کالم ۲ تا صـ ۳۴۶ کالم ۱)

پانچواں باب

یتامیٰ کی خبر گیری

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ
لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

(البقرہ : ۲۲۱)

اور یہ (لوگ) تجھ سے یتامیٰ کے بارے میں (بھی) پوچھتے ہیں تو کہہ دے (کہ) اُن کی اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم اُن سے مِل جُل کر رہو تو (اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی ہیں اور اللہ فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے کے مقابلہ میں خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقّت

میں ڈال دیتا اللہ یقیناً غالب (اور) حکمت والا ہے"۔

" فرماتا ہے لوگ تجھ سے یتامیٰ کے متعلق سوال کرتے ہیں توان سے کہہ دے کہ انکی اصلاح اور ترقی کو مدّنظر رکھنا بڑا اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مِل جُل کر رہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ آخر وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائیوں سے مِل کر رہنا بڑی اچھی بات ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے کے مقابلہ میں خوب جانتا ہے۔

یتامیٰ کے متعلق آج دنیا میں بڑا ظلم ہو رہا ہے یا تو اُن پر حد سے زیادہ سختی کی جاتی ہے اور یا پھر حد سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے ہے جس کی وجہ سے وہ بگڑ جاتے ہیں حالانکہ نہ اُن پر زیادہ سختی کرنی چاہیئے اور نہ اتنا پیار کرنا چاہیئے کہ خواہ وہ کچھ کریں یہ کہہ دیا جائے کہ اِسے کچھ نہیں کہنا اس کا باپ مرا ہوا ہے عام طور پر لوگ ان کو لاوارث پاکر یا تو حد سے زیادہ سختی کرتے ہیں یا پھر حد سے زیادہ نرمی۔ لوگ جھوٹے رحم سے کام لیکر انہیں کچھ نہیں کہتے اور اس طرح وہ بچے جو یتیم رہ جاتے ہیں بگڑ جاتے اور ان کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے قرآن کریم کہتا ہے کہ تم ہر بات میں ان کی اصلاح کو مدّنظر رکھو اور درمیانی راہ اختیار کرو۔ قرآن کریم میں ایک دوسرے

مقام پر اللہ تعالیٰ یتامیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو ان کی طرف توجہ نہیں کرتے انہیں یہ تو سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ خود مر جائیں اور اپنے بچوں کو یتیم چھوڑ جائیں (النساء:۱۰) اس رنگ میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یتامیٰ کی پرورش اور ان کی نگہداشت ایک اہم ترین فرض ہے"۔

" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا واقعہ ہے ایک بچہ یتیم رہ گیا تو بعض صحابہؓ میں آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک کہتا میں اس کی پرورش کروں گا دوسرا کہتا میں اس کی پرورش کرونگا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ بچہ سامنے کرو اور وہ جس کو پسند کرے اس کے سپرد کر دو مگر آج یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مرنے لگتا ہے تو اُسے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں سب سے بڑا فکر اور اضطراب یہی ہوتا ہے کہ میرے بعد میرے بیوی بچوں کا کیا بنے گا کون ان کی پرورش کرے گا کون ان کی نگہداشت کرے گا کون اُن کی طرف محبت اور پیار کی نگاہ سے دیکھے گا اور جب وہ شخص مر جاتا ہے اور اس کے بچوں کی پرورش کا سوال سامنے آتا ہے تو ایک شخص کہتا ہے میرا دل تو چاہتا ہے کہ بچے لوں مگر کیا کروں مجھ پر بوجھ بڑا ہے دوسرا کہتا ہے منشاء تو میرا بھی یہی تھا مگر مشکلات بہت ہیں

تیسرا کہتا ہے میں بھی یہ ثواب حاصل کرنا چاہتا تھا مگر بہت مجبوری ہے اس طرح ایک ایک کر کے ہر شخص اس بوجھ سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن صحابہؓ میں یہ بات نہیں تھی وہ بھاگتے نہیں تھے بلکہ خوشی سے اس ثواب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے جب کسی قوم میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ وہ یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری کرنے لگ جائے۔ ان کا احترام افراد قوم کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ ان کی پرورش میں انہیں سکون اور راحت حاصل ہو اور وہ یتیموں کو ایسا ہی سمجھیں جیسے ان کے اپنے بچے ہیں تو اس وقت ایمان کے بغیر بھی وہ قوم بہادر بن جاتی ہے اور جب اس کے ساتھ کسی کو حیات بعد الموت پر ایمان بھی ہو اور زندہ خدا پر توکّل ہو تو پھر تو یہ دو چیزیں مل کر اس کے دل کو ایسا مضبوط بنا دیتی ہیں کہ موت کا ڈر اس کے قریب بھی نہیں آتا۔ یوروپین قوموں میں اگر ہمیں دلیری نظر آتی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اگر ہم مر گئے تو ہماری قوم یتامیٰ و بیوگان کی خبر گیری کرے گی یہی وجہ ہے کہ مرنے والا موت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا وہ جاتا ہے اور اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فرمایا کہ اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو یعنی کھانے پینے تجارت اور دوسرے کام کاج میں انکو اپنے

ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں۔ تم ایسا کر سکتے ہو مگر بھائی کہہ کر ذمہ داریاں بھی بنا دیں کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہونا چاہیئے جو ایک بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔ بڑا بھائی جس کے سپرد چھوٹے بھائیوں کی نگرانی ہوتی ہے وہ اسی طرح کرتا ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کرتا ہے انہیں کھلاتا پلاتا ہے اور بڑے ہونے پر اُن کا مال ان کو دے دیتا ہے اسی طرح یتامیٰ کو بھائی کہکر توجہ دلائی کہ چھوٹے بھائیوں سے لینے کی امید نہ رکھو بلکہ انہیں اپنے پاس سے بھی کچھ دینا چاہیئے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہیئے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگر تم مصلح بن کر فساد کی بنیاد ڈالو گے اور یتامیٰ کے ساتھ ناروا سلوک کر کے انہیں دکھ پہنچاؤ گے یا ناواجب پیار کر کے انہیں خراب کرو گے تو دونوں صورتوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے تم جواب دہ ہو گے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسا حکم دے دیتا جس کے نتیجہ میں تمہیں تکلیف ہوتی یعنی وہ کہہ دیتا کہ یتامیٰ کا مال بھی الگ رکھو اور ان کا خرچ بھی برداشت کرو لیکن اُس نے رحم

سے کام لیا اور تمہاری سہولت کو اس نے مدّنظر رکھا۔ اس سہولت کا یہ نتیجہ نہیں نکلنا چاہیئے کہ تم یتامیٰ کی تربیت کا خیال نہ رکھو یا اُن کے اموال کو غصب کرنے کی کوشش کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ اس میں عزیز اور حکیم کی صفات کا ذکر کر کے پھر دو امور کی طرف توجہ دلائی ایک تو اس امر کی طرف کہ یتیم میں طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق دوسروں سے لے سکے اس کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ عزیز نہیں تو خدا تعالیٰ تو عزیز اور غالب ہے جس طرح تم یتیم پر غالب ہو تمہارے اوپر بھی کوئی غالب ہستی ہے اگر تم اس کے حقوق کو تلف کرو گے یا ناجائز سختی اور دباؤ سے کام لو گے یا اس کا مال کھاؤ گے تو خدا تعالیٰ تمہیں پکڑیگا پھر فرمایا تھا کہ یتیم سے نرمی کرو اور اس کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لو اس کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے تمہیں بھی حکمت سے کام لینا چاہیئے اور جس بات میں فائدہ ہو وہی اختیار کرنی چاہیئے"

(تفسیر سورۃ البقرہ ص ۴۹۶ کالم ۱ تا ص ۴۹۹ کالم ۱)

یتامیٰ مساکین کی پرورش کا حکم

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝

(الضحیٰ: آیت ۱۰)

ترجمہ:۔ پس یتیم کو تو دبا نہیں۔

اَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یتیم تھا ہم نے تجھے پالا۔ اب دنیا میں ہمارے اور بھی بہت سے یتیم بندے ہیں اُن کی پرورش تیرے ذمہ ہے اور تیرا فرض ہے کہ تُو ان کی نگرانی رکھے اور اُن کی تکالیف کا ازالہ کرے۔ جو شخص یتیم سے حُسن سلوک کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرتا ہے اور جو شخص یتیم سے بے اعتنائی کرتا یا اس سے ظالمانہ سلوک کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکاتا ہے۔ لَا تَقْهَرْ کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یتیم کی پرورش اس رنگ میں نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ خراب ہو جائے یعنی نہ ایسی سختی کرو کہ جس کے نتیجہ میں اُس کے قویٰ دب جائیں

اور وہ ترقی سے محروم ہو جائے اور نہ ایسی نرمی کرو کہ جس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ اپنے اوقات اور اپنے قویٰ کو برباد کر دے۔ قَھَرٌ کے معنے دراصل غلبہ کے ہوتے ہیں پس لَا تَقْھَرْ کے معنے یہ ہوئے کہ اُس سے یہ معاملہ نہ کرو جس کے نتیجہ میں تم اس کے قوائے دماغیہ اور جسمانیہ پر غالب آجاؤ اور اس کی ترقی کو نقصان پہنچا دو۔ انسانی ترقی کو دو ہی طرح نقصان پہنچتا ہے یا بے جا سختی سے یا بے جا نرمی اور محبّت سے پس لَا تَقْھَرْ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے بے جا سختی سے بھی روک دیا اور بے جا نرمی سے بھی منع فرما دیا اور نصیحت کی کہ یتیم سے تم ایسا ہی معاملہ کرو جو اس کی اچھی تربیت کے لیے ضروری ہو۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم نصف دوم صفحہ ۱۰۸ کالم ۱ و صفحہ ۱۰۹ کالم ۲)

یتامیٰ و مساکین پر اچھا مال خرچ کرنے کا حکم

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

(البقرۃ : ۲۱۶)

"وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دے (کہ) جو اچھا مال بھی تم دو وہ (تمہارے) ماں باپ قریبی رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافر کا (پہلا) حق ہے اور جو نیک کام بھی تم کرو اللہ اُسے یقیناً اچھی طرح جانتا ہے۔"

"جب اس نے فرما دیا کہ جو کچھ بھی تم اچھے مال سے خرچ کرو اس میں سائل کا جواب مکمل آگیا اوّل یہ کہ کوئی حد بندی نہیں

جتنے کی توفیق ہو اتنا خرچ کرو دوم یہ کہ اس امر کا لحاظ رکھو کہ جو خرچ کرو وہ طیّب مال ہو جو لوگ حرام کماتے ہیں اور اُس میں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے گناہ کا کفّارہ کر دیا وہ غلطی پر ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے ہی مال کو قبول کرتا ہے جو اچھا .... ہو سوم یہ کہ صرف حلال نہیں دینا بلکہ طیّب دینا ہے یعنی جس مال کو قبول کرنا اُس شخص پر گراں نہ گذرے جس کو مال دیا جائے ممکن ہے کوئی کہے کہ خیر کے معنے مال کے ہیں۔ اچھے مال کے معنے کہاں سے نکالے گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیر کے اصل معنے بہترین شے کے ہیں اور مال کو اسی صورت میں خیر کہتے ہیں جب کہ وہ طیّب ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو مفرداتِ راغب میں ہے وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَا يُقَالُ لِلْمَالِ خَيْرٌ حَتّٰى يَكُوْنَ كَثِيْرًا وَمِنْ مَكَانٍ طَيِّبٍ یعنی مال کو خیر اسی صورت میں کہیں گے جبکہ وہ زیادہ ہو اور پاک ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور خود طیب ہو پس خیر کہنے سے یقیناً قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ طیّب اموال میں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اگر کہا جائے کہ اگر کوئی شخص حرام کماتا ہو لیکن صدقہ طیّب مال سے دے تو کیا یہ اس حکم کے مطابق ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے

کہ تھوڑی سی گندگی بھی بہت سی پاکیزہ شے کو گندہ کر دیتی ہے پس اگر کوئی شخص رشوت لیتا یا چوری کرتا یا ظلم سے دوسرے کا مال لیتا ہے تو خواہ اس قسم کا مال تھوڑا ہو اس کا سب مال گندہ ہو جائے گا اور وہ اس حکم کو پورا کرنے والا نہ ہو گا غرض سوال کا مکمل جواب اسی آیت میں آ گیا ہاں اس سے زائد مضمون بھی بتا دیا گیا کہ اگر خرچ کرو تو کہاں کہاں خرچ کرو گویا اس طرف اشارہ کیا کہ خرچ کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صحیح جگہ خرچ کرنا مشکل ہے پس جو خرچ کرو احتیاط سے کرو اور مستحقین کو دو۔ یہ قرآنی کمال ہے کہ وہ مختصر الفاظ میں وسیع مضمون بیان کر دیتا ہے دیکھو یہاں کتنے مختصر لفظوں میں سوال کا جواب بھی دے دیا یہ بھی بتا دیا کہ مال حلال دو (طیب میں حلال کا مفہوم بھی شامل ہے) اور یہ بھی کہ حلال مال طیب بھی ہو یہ نہیں کہ ٹوٹی ہوئی جوتی جو کسی کام کی نہیں دے دی بے شک وہ اسکا مال ہے بے شک اس کا دینا اسے حلال ہے مگر وہ طیّب نہیں کیونکہ جسے دی گئی ہے اس کے کام کی نہیں یا مثلاً ایک بھوکا کھانا مانگنے آیا ہے گھر میں کھانا تیار ہے مگر اسے آٹا دے دیا یہ مال بھی ہے حلال بھی ہے مگر بھوکے کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ طیب یہ ہے کہ خود کم کھائے اسے پکا ہوا کھانا دے جسے وہ فوراً کھا سکے یہ سب کچھ بتا

کر یہ بتا دیا کہ فلاں فلاں جگہ مال خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

سبحان اللہ کیا معجزانہ اعجاز ہے قرآن مجید میں ایسی مثالیں اور بھی ہیں کہ سوال کا جواب دیکر زائد مضمون بتا دیا ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِس قسم کا کلام فرماتے تھے آپؐ سے کسی نے پوچھا کہ سمندر کے پانی کے بارہ میں کیا حکم ہے آپؐ نے فرمایا: ھُوَ الطَّھُوْرُ مَاءُہٗ وَالْحِلُّ مَیْتَتُہٗ۔ اس کا پانی پاک ہے اور اُس کا مردہ حلال ہے یعنی سمندری جانور کے لیے ذبح کرنے کی شرط نہیں جیسے مچھلی۔ اب دیکھو یہاں سوال کا جواب بھی دیا ہے اور زائد مضمون بھی بتا دیا ہے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ ص۴۷۰ کالم ۲ اور ص۴۷۱ کالم ۱،۲)

مساکین کی امداد کیلئے عام تحریک کرنا ضروری ہے

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ○

(سورۃ ماعون آیت ۴)

ترجمہ: اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو کبھی) ترغیب نہیں دیتا تھا۔

"فرمایا وہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی دوسروں کو تلقین نہیں کرتا۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلا تو دیتا ہے مگر خلوصِ نیت سے نہیں کیونکہ اگر وہ سچے دل سے کھانا کھلاتا تو دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاتا کیونکہ جو اچھی چیز ہو اس کی دوسروں کو بھی تلقین کی جاتی ہے مگر وہ آپ تو کھانا کھلا دیتا ہے لیکن دوسروں کو اس کی ترغیب نہیں دیتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص شرم اور لحاظ کے مارے ایسا کرتا ہے سچے دل سے ایسا نہیں کرتا اور اس کے دل میں اس کام کے کرنے کی تڑپ نہیں ہے۔ گویا سوال کرنے پر مسکین کو کھانا کھلا دیتا ہے خود غرباء کی خدمت کا شوق نہیں رکھتا۔ تحریک کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

غرباء کو بغیر مانگے روٹی مل جاتی ہے جب لوگ ایک دوسرے کو غرباء کی امداد کی تلقین کرتے رہیں تو غرباء کو مانگنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم حصہ سوم ص ۳۳۹-۳۴۰)

چھٹا باب

قوم کی تباہی کے چار اسباب

۱- كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَٰٓضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝

(الفجر: آیت ۱۷ و ۱۸)

۲- وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝

(الفجر: آیت ۲۰)

۳- وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

(الفجر: آیت ۲۱)

ترجمہ: (یوں) ہرگز نہیں بلکہ تم (قصوروار ہو کہ) یتیم کی عزت نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔

۲- اور ورثہ کا مال سب کا سب (عیش میں) اُڑا جاتے ہو۔

۳- اور تم مال سے بے انتہاء محبّت کرتے ہو۔

"اوپر کی آیات میں چار امور بیان کئے گئے ہیں جو کفّار میں پائے جاتے تھے اور یہی چار امور ایسے ہیں جن سے قومیں تباہ ہوتی ہیں۔

یتامیٰ کی خبر گیری نہ کرنا

بظاہر یہ ایک روحانی اور دینی کام معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومی ترقی اور اس کے تنزل کے ساتھ اس کا بڑا گہرا تعلق ہے اگر کسی قوم میں یتامیٰ کی خبر گیری پوری طرح پائی جاتی ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جانی اور مالی قربانیوں کے وقت اس قوم کا کوئی ایک فرد بھی پیچھے رہے اور اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش نہ کرے بلکہ وہ ہنستا ہوا آگے بڑھے گا اور ہر قسم کے شدائد کو خوشی سے برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اگر لوگ روزانہ اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھیں کہ فلاں شخص مر گیا تو اس کے یتیم بچوں کو فلاں امیر لے گیا اور اس نے اپنے بچوں کی طرح اپنے گھر میں رکھ لیا۔ وہ اُن میں اور اپنے بچوں میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ انہیں تعلیم دلا رہا ہے انہیں اچھے سے اچھا کھانا کھلا رہا ہے۔ اُنہیں اچھے سے اچھا لباس پہنا رہا ہے تو

جب بھی قربانی کا سوال پیدا ہو گا ہر شخص آگے بڑھے گا اور کہے گا اگر میری جان بھی جاتی ہے تو بے شک جائے مجھے اس کی پرواہ نہیں فلاں شخص مر گیا تھا تو اس کے بچے فلاں قومی بھائی لے گیا اور اس نے انہیں اپنے بچوں کی طرح پالنا شروع کر دیا۔ فلاں شخص مر گیا تو اس کے بچوں کو فلاں شخص لے گیا اور ان کے اخراجات کا متکفّل ہو گیا اگر میں بھی مر گیا تو کیا ہوا۔ میرے بچوں کی قوم نگران ہو گی اور مجھ سے زیادہ بہتر رنگ میں ان کی تربیت کا فرض سرانجام دیگی یہ احساس اگر ہر فرد کے دل میں پیدا ہو جائے اور یتامیٰ کی خبر گیری قومی طور پر کسی جماعت میں پائی جائے تو وہ جماعت کبھی مٹ نہیں سکتی۔

پس یاد رکھو۔ یتیم کی خبر گیری کرنا صرف نیکی اور تقویٰ ہی نہیں بلکہ قوم کے کیرکٹر کو بلند کرنا اور اُسے قربانیوں پر زیادہ سے زیادہ دلیر بنانا ہے۔ جو قوم یتامیٰ سے حسن سلوک نہیں کرتی وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ ......

یتیم پروری یہ ہے کہ انسان اپنے بچوں کی طرح دوسرے کے یتیم بچہ کو رکھے اور اپنے سلوک میں ذرا بھی فرق نہ آنے دے۔ محض

کسی کو روٹی کھلا دینا اور بات ہے اور یتیم پروری اور چیز ہے قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ اے لوگو! تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے تھے یہ نہیں کہا کہ لَا تُطْعِمُوْنَ الْيَتِيْمَ اے لوگو! تم یتیم کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اگر محض کھانے کا ذکر ہوتا تو یہاں اکرام کا لفظ نہ ہوتا بلکہ اِطْعَام کا لفظ ہوتا۔ اکرام کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جانا صاف بتا رہا ہے کہ الٰہی منشأ یہ ہے کہ یتیموں کی ایسے رنگ میں پرورش کی جائے کہ ان کا احترام مدّنظر ہو یہ نہ ہو کہ صدقہ کے طور پر ان کو روٹی دی جا رہی ہو۔

ہمیں اُن سے اُتنا ہی کام لینا چاہیئے جتنا ہم اپنے بیٹے سے کام لیتے ہیں یہ نہ ہو کہ ہمارا بیٹا تو آرام سے بیٹھا رہے اور کام کا بوجھ یتیم پر ڈال دیا جائے محض اس لیے کہ اس کا باپ زندہ نہیں اُس کی ماں زندہ نہیں اور وہ اب دوسرے لوگوں کے رحم پر ہے اُسے بیٹوں کی طرح رکھا جائے بیٹوں کی طرح اُس سے کام لیا جائے اور پھر اگر اُس میں اور اپنے میں کبھی لڑائی ہو جائے تو بے شک یہ اُس کو مار پیٹ لیں اور وہ انکو مار پیٹ لے اس وقت ماں اسے یہ نہ کہے کہ خبردار میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا تو تجھے مار مار کر سیدھا کر دوں گی اگر اس طرح کسی یتیم کو رکھا جائے تو بے شک کسی غلطی پر اُسے مار بھی لیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں

آخر ہم اپنے بچے کو بھی بعض دفعہ مار لیتے ہیں پھر اگر کسی یتیم کو اس کی کسی غلطی پر بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنے بچوں کی اصلاح کیلئے انہیں مارتے ہیں اگر کبھی ماریں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں مگر بہر حال اس کی عزت نظر انداز نہیں ہونی چاہیئے۔

قرآن کریم صرف یتامیٰ کو کھانا کھلانا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ فرماتا ہے قومی ترقی کے لیے یہ نہایت ضروری امر ہے کہ یتیم کو عزت سے رکھا جائے اگر یتامیٰ کا اکرام قوم میں نہیں پایا جاتا تو خواہ تم ہزار بار لوگوں سے کہو کہ جاؤ اور خدا کی راہ میں مر جاؤ۔ جاؤ اور اپنی جانیں قربان کر دو وہ کہیں گے ہم چلے تو جائیں مگر ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں اور ہمارے بچوں کو تکلیف اٹھانی پڑے لیکن اگر وہ یہ دیکھیں کہ ہماری زندگی اور ہماری موت بچوں کی پرورش کے لحاظ سے برابر ہے ہمارے مرنے کے بعد بھی یہ اسی طرح رہیں گے بلکہ موجودہ حالت سے بھی ہزار گنا بڑھ کر ان کی پرورش کے سامان ہوں گے تو بیشک تم قوم کے ایک ایک فرد کو کٹواتے جاؤ۔ ایک ایک فرد کو مروانے

جاؤ کوئی ایک شخص بھی اپنے قدم کو پیچھے نہیں ہٹائے گا اور خوشی سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دے گا۔ غرض یہ ایک نہایت ہی عظیم الشان مسئلہ ہے اور جب تک کسی قوم کے افراد اس کو پوری طرح نہ سمجھ لیں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔

۲۔ غرباء کی مدد نہ کرنا

دوسری بات خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وَلَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ تم آپس میں ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے کہ غریب آدمی کو کھانا کھلایا جائے۔

اگر غرباء کی خبر گیری نہ ہو تو قومی جنگوں میں کبھی کامیابی نہیں ہوتی اور سپاہی بہت کم ملتے ہیں کیونکہ دنیا میں غرباء زیادہ ہوتے ہیں اگر سپاہیوں اور لڑنے والوں کے ذہن میں یہ ہو کہ ہماری قوم ہماری محسن ہے ہم بیمار ہوئے تو اس نے ہمارا علاج کیا۔ ہمارے پاس کپڑے نہ تھے تو اس نے ہمارے لیے کپڑے

مہیا کئے ہم بھوکے تھے تو اس نے ہمارے لیے غلہ مہیا کیا ہم حاجتمند تھے تو اس نے ہماری حاجات کو پورا کیا تو گو کمینے اور ذلیل لوگ بھی ہر قوم میں پائے جاتے ہیں مگر بہر حال جو شریف ہوں گے اور یہی طبقہ زیادہ ہوتا ہے وہ کہیں گے جب قوم نے ہمارے ساتھ یہ احسان کیا ہے وہ احسان کیا ہے تو آج ہم قومی ضرورت کے وقت کیوں پیچھے ہٹیں؟ ہم آگے بڑھیں گے اور قوم کے لیے اپنی جانوں کو قربان کر دیں گے، لیکن اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم بھوکے مرتے رہے مگر ہمیں کسی نے نہ پوچھا ہم ننگے پھرتے رہے مگر کسی نے ہمارا ننگ نہ ڈھانکا ہم بیمار ہوئے مگر کسی نے ہمارا علاج نہ کیا ہم محتاج ہوئے مگر کسی نے ہماری احتیاج کو رفع نہ کیا تو وہ کہیں گے ہمارے لیے قوم نے کیا کیا تھا کہ آج ہم اس کے لیے قربانی کریں وہ ہم سے بے اعتنائی کرتی رہی ہے آج ہم اس سے بے اعتنائی کریں گے پس غرباء کی خبر نہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قربانی کا مادہ لوگوں میں سے کم ہو جاتا ہے اور قومی جنگوں میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

پس غرباء کی خبر گیری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر

قومی جنگ ہو جائے تو چونکہ قوم کی اکثریت غرباء پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے قوم کو کثرت سے کام کرنے والے مل جاتے ہیں ایک کروڑ پتی کی تلوار صرف ایک تلوار کا کام دے سکتی ہے، لیکن جنگوں میں ایک تلوار نہیں۔ کروڑوں تلواروں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کروڑوں تلواریں اس وقت تک مہیّا نہیں ہو سکتیں جب تک کروڑوں غرباء کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور انکو پوری طرح مطمئن نہ کیا جائے۔ اگر مساکین کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھا جائے تو یہ لازمی بات ہے کہ جب قوم پر کوئی مصیبت آئیگی شریف الطبع لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ قوم نے ہم پر احسان کیا تھا اب اس پر مصیبت آئی ہے تو ہم اس کی مدد کریں جیسے انگلستان امریکہ روس اور جرمنی وغیرہ ممالک میں موجودہ جنگ میں لاکھوں آدمی کام آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو قوم کے لیے قربان کر دیا اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ ان قوموں میں غرباء کی پرورش کا احساس بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

پھر اگر غرباء کے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے تو ان کے دلوں میں یہ احساس رہتا ہے کہ جو لوگ اپنے اموال میں ہماری ضروریات کا خیال رکھتے ہیں وہ فتوحات میں بھی ہمارا ضرور خیال رکھیں گے اور یہ بھی قوم کی ترقی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ قومی اموال کی ترقی صرف امراء کو ہی نہیں بلکہ ہمیں بھی فائدہ پہنچائے گی جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اموال میں غرباء کے حقوق اس لیے بیان کئے ہیں کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (الحشر ع ۱) تاکہ تم روپیہ کو اس طرح استعمال نہ کرو کہ وہ دولتمندوں میں ہی چکر لگانے لگے بلکہ غرباء کو بھی روپیہ ملے پس غرباء کی خبر گیری کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جتنی قوم ترقی کرے گی اتنا ہی ہمارا حصّہ بڑھتا چلا جائے گا، لیکن اگر ان کو حصّہ نہ دیا جائے تو وہ کہتے ہیں ہمیں تو حصّہ ملنا نہیں قومی اموال کی ترقی امراء کو ہی فائدہ دے گی اس لیے ہم اپنی جانوں کو کیوں ضائع کریں؟

۳ اسراف کے نقصانات

تیسری چیز جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے وہ اَکْلِ تُرَاث ہے جو اسراف کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جب کسی قوم میں اسراف پیدا ہو جائے تو وہ بھی یقینی طور پر تباہ و برباد ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا کہ تمہیں باپ دادا سے مال ملا مگر بجائے اس کے کہ تم اُسے ترقی دیتے اور اسے بڑھانے کی کوشش کرتے تم نے اُسے تباہ کرنا شروع کر دیا غرض اسراف بھی قومی تنزّل کی ایک بہت بڑی علامت ہے اور اس کے دو بڑے نقصان ہوتے ہیں اوّل یہ کہ انسان میں نکمّا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ باپ دادا کی طرح اگر وہ کام کرتا تو نکمّا پن اس میں پیدا نہ ہوتا مگر وہ محنت کو صرف روٹی کمانے کا ایک ذریعہ سمجھ لیتا ہے اور جب اُسے باپ دادا کی جائداد پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے روٹی مل جاتی ہے تو وہ کوئی کام نہیں کرتا جس قوم میں ایسے آدمی پیدا ہو جائیں کہ وہ کوئی کام نہ کریں وہ اس جونک کی طرح ہوتے ہیں جو جسم کا خون چوس لیتی ہے اور قابل ہوتے ہیں کہ ان کی زیادہ سے زیادہ مذمت کی جائے اگر کسی قوم میں ہزاروں لوگ بھی کروڑ پتی ہوں

لیکن وہ سب کے سب کام کر رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جس کے اندر نکمّا پن پایا جاتا ہو تو وہ قوم کبھی تباہ نہیں ہوتی لیکن اگر ایک کروڑ پتی بھی ایسا ہے جو باپ دادا کی جائداد لے کر بیٹھ گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کام یا کسی محنت کی ضرورت نہیں۔ محنت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ روٹی ملے میرے پاس روٹی کا کافی سامان ہے میں کیوں محنت کروں تو اس قوم کی تباہی کی بنیادی اینٹ وہ شخص اپنے ہاتھ سے رکھنے والا ہوتا ہے۔ پس محض کسی کروڑ پتی کا قوم میں پایا جانا اس کی بربادی کی علامت نہیں۔ کیونکہ گو وہ کروڑ پتی ہو گا مگر نکمّا نہیں ہو گا بلکہ کام کر رہا ہو گا۔ نکمّا وہ ہے جو کہتا ہے کہ باپ کا ایک کروڑ روپیہ میرے پاس ہے مجھے اب محنت کی ضرورت نہیں مجھے اب کام کی ضرورت نہیں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ باپ کے روپیہ پر تصرّف رکھوں اور جس طرح جی میں آئے کروں یوں تو انگلستان میں بھی کروڑ پتی پائے جاتے ہیں مگر وہ لوگ ایسے ہیں کہ باوجود کروڑ پتی ہونے

کے محنت کرتے ہیں اور اپنے روپیہ کو برباد کرنے کی بجائے اس سے کوئی نہ کوئی کارخانہ جاری کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پچاس سو، دوسو یا ہزار دو ہزار آدمیوں کو مزدوری مل جاتی ہے اور وہ روپیہ قوم کی ترقی کے کام آتا رہتا ہے۔ اس جگہ نکمّے امراء کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے روپیہ کو کھاتے رہتے ہو اور خود ساری عمر نکمّا پن میں گذار دیتے ہو جس قوم میں ایسے منحوس لوگ پیدا ہو جائیں وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

۴ مال سے محبت

چوتھی چیز محبتِ مال ہے۔ مال کی محبت حلال و حرام کا امتیاز اڑا کر انسان کو ظلم کی طرف مائل کر دیتی ہے جس شخص کے دل میں انتہائی طور پر مال کی محبت ہوگی وہ حلال و حرام میں کوئی امتیاز نہیں کریگا حلال ذریعہ سے مال آئیگا تو اُسے بھی لے لیگا۔ حرام ذریعہ سے مال آئیگا تو اُسے بھی لے لے گا اور جس شخص میں حلال و حرام کا امتیاز نہ رہے وہ ظلم پر آمادہ ہو جاتا ہے اور جس قوم میں ظالم پیدا ہو جائیں اس کا شیرازہ کبھی متحد نہیں رہ سکتا یہ ایک لازمی اور طبعی بات ہے کہ جب انتہائی طور پر مال کی محبت پیدا ہو گی حلال و حرام

کی تمیز جاتی رہے گی اور جب حلال و حرام کی تمیز نہ رہے گی تو انسان ظلم سے بھی دریغ نہیں کرے گا اور جب قوم میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جن کو دوسروں کو لوٹنے میں مزا آتا ہو تو وہ قوم کبھی پنپ نہیں سکتی۔

دوسرے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم صنعتی ترقی سے محروم رہ جاتی ہے۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ حُبِّ مال کی وجہ سے قومی چندوں میں کمی آجاتی ہے جب بھی کوئی تحریک ہو مال کی محبت غالب آ جاتی ہے اور قومی تحریکات میں حصہ لینے کے لیے انسان تیار نہیں ہوتا۔

چوتھے اس کا یہ بھی نتیجہ ہوتا ہے کہ جن دلوں میں مال کی محبت ہوتی ہے وہ قومی ایثار کے وقت دشمن کے غلبہ سے ڈر کر غدار بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ہے وَتِلْكَ الْاَيَّامُ

نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران ع ۱۴/۵) لڑائی میں کبھی ایک کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرے کا۔ اونچ نیچ ضرور ہوتی رہتی ہے ایسی حالت میں وہ شخص جس کے دل میں مال کی محبّت ہوتی ہے اگر اُسے بھی ذرا یہ پتہ لگے کہ دشمن غالب آنے والا ہے تو وہ چوری چھُپے دشمن کے ساتھ ساز باز شروع کر دیتا ہے اور اپنی قوم سے غداری کرتا ہے محض اس لیے کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انگریز سُود دیکر بھی لُوٹتے ہیں اور سُود دیکر بھی لُوٹتے ہیں پھر اس کے متعلق ایک واقعہ سنایا کرتے تھے آپ فرماتے اودھ کی اسلامی حکومت اس طرح تباہ ہوئی کہ پہلے انگریزوں نے لوگوں میں یہ تحریک شروع کر دی کہ اگر تم ہمارے بنک میں اپنا روپیہ جمع کرو تو تمہیں اڑھائی فیصدی نفع دیا جائے گا یہ لالچ اتنا بڑا تھا کہ لوگوں نے اپنا تمام روپیہ کلکتہ کے انگریزی بنک میں جمع کرا دیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات تک بیچ ڈالے اور روپیہ انگریزوں کے حوالے کر دیا کیونکہ انہیں آئندہ کے متعلق بڑی بڑی امیدیں دلائی گئی تھیں۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر تمہارا دس لاکھ روپیہ جمع ہوا تو تمہیں پچیس ہزار روپیہ سود دیا جائے گا اور پھر تمہارا اصل مال بھی بالکل محفوظ رہے گا جب تم مانگو گے روپیہ واپس دے دیا جائے گا

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا سارے کا سارا روپیہ کلکتہ کے انگریزی بنک میں جمع ہو گیا اس کے بعد انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ لکھنؤ جو اودھ کی حکومت کا دارالسلطنت تھا وہاں کے بڑے بڑے سرداروں سے انگریزوں نے کہہ دیا کہ خبردار! تم میں سے کوئی شخص بادشاہ کو یہ خبر نہ پہنچائے کہ انگریزی فوج حملہ کے لیے آ رہی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا جو روپیہ بنک میں جمع ہے وہ ضبط ہو جائے گا۔ اُن غدار افسروں نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ مُرغ لڑوا رہا تھا اور کنچنیوں کے ناچ گانے میں مشغول تھا کہ ایک شخص بول اٹھا اور کہنے لگا کہ حضور سنا ہے انگریزی فوج آ رہی ہے وہ افسر جو اندرونی طور پر انگریزوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے انہوں نے اس کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور بادشاہ سے کہا حضور کے اقبال کے سامنے انگریزوں کی کیا مجال ہو سکتی ہے یہ ایک بے وقوف شخص یونہی بول پڑا۔ یہ حضور کے آرام اور مزے کا وقت تھا مگر اس نے سارا مزا خراب کر دیا۔ انگریزوں کی کیا مجال ہے کہ وہ حضور کی شاہی کو کوئی نقصان پہنچا سکیں۔

غرض بادشاہ کو انہوں نے ناچ گانوں اور مرغوں کے لڑوانے میں ہی مشغول رکھا اور انگریزی فوج لکھنؤ کے اندر داخل ہو گئی۔ الغرض محبّتِ مال قوم میں غدّاری پیدا کر دیتی ہے اس لیے اگر کوئی قوم ترقی

کرنا چاہیے تو اُسے اپنے افراد کے قلوب میں سے مال کی محبّت کو مٹا دینا چاہیئے اس کے بغیر وہ حقیقی اور پائدار ترقی حاصل نہیں کر سکتی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کا ہر فرد جانتا ہے کہ اگر میں لڑائی میں مارا گیا تو مجھ سے بڑھکر شفیق باپ میرے بچوں کے لیے موجود ہے مسکین جانتا ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو طاقت ملی تو مجھے کھانا ملے گا مجھے کپڑا ملے گا۔ بیماری کے وقت علاج میسّر آئے گا اور مجھے فتوحات میں برابر کا حصّہ ملے گا باپ دادا سے ورثہ حاصل کرنے والا جانتا ہے کہ میں نے اپنے مال کو تلف نہیں کرنا بلکہ اسے قومی کاموں پر صرف کرنا اور اُسے پہلے سے بھی زیادہ بڑھانا ہے تاکہ قوم کا قدم ترقی کی طرف بڑھے تنزل کی طرف نہ جُھکے اور اگر کسی کے پاس مال ہے تو وہ اس سے محبّت نہیں رکھتا چندے کے وقت سارے کا سارا مال لے آتا ہے اور پھر اس بات کی احتیاط رکھتا ہے کہ اُس کے مال میں کوئی حرام پیسہ نہ آجائے جب ترقی کی تمام علامات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں میں پائی جاتی ہیں اور تنزل کی تمام علامات تم میں موجود ہیں تو تم یہ خیال ہی کس طرح کر سکتے ہو کہ تم غالب آجاؤ گے اور مسلمان

مغلوب ہو جائیں گے۔ بے شک تعداد کے لحاظ سے تم زیادہ ہو مگر بہت سی چڑیاں باز پر فتح حاصل نہیں کر سکتیں تم میں سے ہر شخص وہ ہے جو یتامیٰ کی خبر گیری نہیں کرتا اور اس لیے وہ انتہائی طور پر بزدل اور ڈرپوک ہے تم میں سے ہر شخص وہ ہے جو غرباء کی اعانت نہیں کرتا اس لیے تمہیں قومی جنگوں کے وقت کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ تم میں سے ہر شخص وہ ہے جسے اپنے باپ دادا سے جب ورثہ میں روپیہ ملتا ہے تو وہ اُسے عیاشی میں برباد کر دیتا ہے تم میں ہر شخص وہ ہے جس کے دل میں مال کی انتہائی محبّت پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے جب قوم کے لیے مال کی ضرورت ہو تم میں سے کوئی شخص روپیہ خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تمہاری یہ حالت ہے اور مسلمانوں کی وہ حالت تو یہ لازمی بات ہے کہ مسلمان جیتیں گے اور تم ہارو گے۔

یہی چیز ہے جو ہماری جماعت کے افراد کو اپنے مدّنظر رکھنی چاہیئے اگر ہماری جماعت ترقی کرنا چاہتی ہے تو ضروری ہے کہ وہ یہ چار باتیں اپنے اندر پیدا کرلے اور پوری مضبوطی کیساتھ ان پر قائم رہے اگر ہمارے مبلغ اور ہمارے معلّم اور ہمارے صدر اس بات کو مدّنظر رکھیں

کہ ہم نے یتامیٰ کی خبرگیری کرنی ہے ہم نے ان کو صرف کھانا ہی نہیں کھلانا بلکہ ان کا اکرام کرنا ہے اگر وہ سمجھیں کہ ہم نے مساکین کو کھانے پینے کے لحاظ سے ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ رکھنا ہے اگر وہ خیال رکھیں کہ ہم نے لوگوں میں کام کرنے کی عادت پیدا کرنی ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے باپ دادا کی جائداد لے کر بیٹھ جائے اور خود کوئی کام نہ کرے اگر ایک شخص کروڑ پتی بھی ہے مگر وہ صرف اپنے باپ دادا کی جائیداد پر بیٹھا ہوا ہے خود کوئی کام نہیں کرتا تو قوم کو اس کی ذرا بھی عزت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ وہ بڑا رئیس ہے بلکہ اُسے چوہڑوں اور چماروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بدتر سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر قوم میں کوئی شخص ایسا ہو جو مال سے محبّت رکھتا ہو تو جماعت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ وہ شخص ہے جو کسی وقت ہمارے لیے غدّار ثابت ہو گا اور جب بھی اسے موقع ملے گا روپیہ کے ڈر کے مارے دشمن سے مل جائے گا۔ اگر یہ چار باتیں تم اپنے اندر پیدا کر لو تو چاہے تمہارے دشمن

لاکھ ہوں۔ کروڑ ہوں۔ دس کروڑ ہوں۔ وہ کروڑ یا دس کروڑ چڑیاں ہوں گی اور تم ان کے مقابلہ میں باز ہو گے۔

اَلْاِنْسَانُ سے مراد وہ انسان ہے جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے اور جس کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ یتامیٰ کی خبرگیری نہیں کرتا مساکین کو کھانا نہیں کھلاتا۔ باپ دادا کا مال برباد کر دیتا ہے اور مال سے بے جا محبّت کرتا ہے فرماتا ہے اس دن وہ انسان جس میں یہ چار خصلتیں پائی جاتی ہوں گی وہ چاہے گا کہ اپنی اصلاح کرے۔ اپنی قوم کو منظم کرے۔ اپنے شیرازہ کو متحد کرے اور قومی تباہی سے محفوظ رہے مگر اَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰی

قومی کیریکٹر سالہا سال کی محنت کے بعد پیدا ہوتے ہیں

یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اِدھر خیال آئے اُدھر قومی کیریکٹر کا رُخ بدل جائے۔ اکرام یتیم کی عادت کسی جماعت میں ایک دن میں پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ چالیس پچاس بلکہ سو سال کی جدوجہد کے بعد قومی طور پر جماعت کا ہر فرد اس کیریکٹر کا مالک بنتا ہے۔ اسی طرح مساکین کی خبرگیری کا قومی طور پر احساس سالوں کی جدوجہد کے بعد

پیدا ہوتا ہے یہی حال محبتِ مال کا ہے کہ وہ ایک دن میں نہیں جاتی بلکہ مدتوں کی کوششیں صفائی قلب کا موجب بنتی ہیں۔ پس فرماتا ہے اَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی۔ اب اصلاح کا کہاں موقعہ ہے یہ چیزیں تو ایک لمبے عرصہ میں پیدا ہوتی ہیں اور تمہارا وہ عرصہ گذر گیا اب تو تم ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہو اب اصلاح اور درستیٔ اموال کا کونسا موقع ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم نصف اول صفحہ ۵۶۶ کالم ۱ تا صفحہ ۵۷۴ کالم ۲)

اللہ تعالیٰ نے تمام تر عزت قربانی میں رکھی ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝

(البلد : آیت ۵)

ترجمہ: ہم نے یقیناً انسان کو رہینِ محنت بنایا ہے۔

"انسان کو ہم نے ایسا ہی بنایا ہے کہ سچی محنت کے بغیر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا بڑا انسان تب بنتا ہے جب وہ قربانی سے کام لے مگر تمہاری یہ حالت ہے تم یتیموں کو پوچھتے نہیں۔ تم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے۔ تم اپنے مالوں کو قومی اور ملّی مفاد کے لیے قربان نہیں کرتے۔ تمہیں جائدادیں ملتی ہیں تو تم انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہو گویا جس قدر بنیادی کام ہیں اور جو محنت و مشقت اور قربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو تو تم سرانجام نہیں دیتے اور جو شخص ان کاموں کو کرنے لگے۔ اسے مارنے کے لیے دوڑ پڑتے ہو اس سے کیا بن سکتا ہے تم یاد رکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواہ تم مارنے کی کتنی بھی کوشش کرو وہ کبھی نہیں مریگا۔ بلکہ تم ہی مروگے

اور یہ ثبوت ہوگا اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام تر عزت قربانی میں رکھی ہے جب کوئی شخص اپنے جگر کا خون کر کے آگے بڑھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت دے دیتا ہے لیکن وہ جو سہل ترین راستہ پر چلنے کی کوشش کریں جو قربانیوں میں حصّہ لینے سے دل چرائیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے پس فرمایا تم اپنا روشن مستقبل کس طرح مانتے ہو جبکہ تم میں کبد والی حالت ہی نہیں۔ کبد والی حالت تو تقاضا کرتی ہے کہ انسان یا خدا کا ہو کر رہے یا دنیا کا مگر تم نہ خدا کے ہو نہ دنیا کے۔ نہ تم میں مذہب ہے نہ قومی اخلاق ہیں اور جب حالت یہ ہے تو تمہارا مستقبل کس طرح روشن ہو سکتا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد ششم جز چہارم نصف اول ص۶۱۴ کالم ۲ و ص۶۱۵ کالم ۱)

امیر و غریب میں مضبوط رابطہ قومی ترقی کے لیے ضروری ہے

وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً

(یونس: آیت ۸۸)

ترجمہ: اور تم (سب لوگ) اپنے (اپنے) گھر آمنے سامنے بناؤ۔

” قبلہ کے متفرق معنوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ (۱) اکٹھے ہو کر رہنا چاہیئے کیونکہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے گھر تب ہی ہو سکتے ہیں جب سب لوگ اکٹھے ہو کر رہیں۔

(۲) ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیئے کیونکہ آمنے سامنے مکان بنانے کی غرض یہی ہؤا کرتی ہے کہ وقت پر آسانی سے مدد کر سکیں۔

(۳) چونکہ قبلہ کے معنی جہت کے بھی ہیں پس یہ بھی مراد ہے کہ ایک ہی طرف سب مکان ہوں یعنی سب جماعت ایک نظام کے ماتحت ہو اور متحدہ مقاصد کی پیروی کی جائے (۴) قبلہ کے معنی نوع کے بھی ہوتے ہیں پس یہ معنی بھی ہوں گے کہ ایک قسم کے مکان ہوں

اوران معنوں سے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قومی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ غریب و امیر میں مضبوط رابطہ ہو اور ساری قوم ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آئے تاکہ ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل ہو۔ اگر ایک شخص محلات میں رہے گا اور دوسرا جھونپڑے میں تو ارتباط پیدا ہونا مشکل ہو گا"۔

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۱ کالم ۱)

مسلمانوں کی قومی ترقی کے ذرائع

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

(البقرة: آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر اور دعا کے ذریعہ سے (اللہ کی مدد مانگو۔

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ گُر بتایا ہے کہ مدد کس طریق سے حاصل کی جاسکتی ہے؟ فرماتا ہے وہ ذرائع یہ ہیں کہ ایک تو دین کے راستہ میں جو مشکلات اور مصائب پیش آئیں اور جو قربانیاں تمہیں کرنی پڑیں اُن سے گھبرایا نہ کرو۔ دوسرے ان امور سے جن سے اللہ تعالیٰ تم کو روکتا ہے رُکے رہو۔ تیسرے وہ قربانیاں جو قربِ الٰہی کے حصول کے لیے ضروری ہیں ان کو ترک نہ کرو اور ان پر استقلال اور دوام اختیار کرو۔ چوتھے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کے بہترین نتائج پیدا کرے اور ان کو قبول فرماتے ہوئے تمہیں غلبہ بخشے۔ پانچویں غرباء سے ہمدردی اور شفقت کا سلوک کرو تا مخلوقِ خدا کو آرام پہنچانے

کی وجہ سے خدا تعالیٰ بھی تم سے خوش ہو۔ چھٹے خدا تعالیٰ سے اپنے قصوروں کی معافی طلب کرتے رہو۔ ساتویں انبیاء پر درود بھیجا کرو کیونکہ اُن کے ذریعے سے ہی تم کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی توفیق ملی ہے۔ آٹھویں خدا تعالیٰ کے دین پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی کوشش کیا کرو۔ نویں عبادت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ یہ سب امور خدا تعالیٰ نے کامیابی کے حصول کے بیان فرمائے ہیں پس جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہو اس کے لئے ان نو باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صـــ ۲۸۶ کالم ۱، ۲)

(الناشر۔ نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ ربوہ)
ضیاء اسلام پریس ربوہ طبع اوّل ۲۰۰۰ تعداد۔